اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | ربیع الاول/ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ | نومبر ۲۰۲۱ء | شمارہ ۱۱

کساء النساء

خواتین کا مرتبہ (قسط اوّل)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے زر سالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

کساءالنساء

(خواتین کا مرتبہ) قسط اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وعظ پانی پت محلّہ مخدوم زادگان عبدالحکیم صاحب کے زنانہ مکان میں ۲۷/صفر ۱۳۳۷ھ یوم دوشنبہ ۲/ دسمبر ۱۹۱۸ء کو صبح آٹھ بج کر ۱۸ منٹ سے ۱۰ بج کر چھبیس منٹ تک کل وقت ۲ گھنٹے ۸ منٹ چوکی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔ حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری و منشی عزیز الرحمن صاحب ایجولوی و خواجہ عزیز الحسن صاحب نے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تھی علاوہ مستورات۔ اس وعظ میں حقوق مستورات اور مردوں کو تنبیہ کہ عورتوں کو حقیر نہ سمجھیں بعض امور میں عورتیں مردوں سے کم ہیں اور بعض میں برابر اور بعض میں بڑھ بھی سکتی ہیں۔ بہت تفصیل سے عورتوں کے مرتبہ ومقام اور حقوق کو بیان فرمایا ہے انتہائی مفید وعظ ہے اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۲۰۲۱/۶/۳

۱۴۴۲/۱۱/۲۲ھ

کساءالنساء

(خواتین کا مرتبہ) قسط اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	تمہید....................................	۷
۲..........	حقیقت عمل....................................	۸
۳..........	حقیقت تواضع....................................	۹
۴..........	شیخ احمد رفاعی کی حکایت....................................	۱۱
۵..........	نتائجِ تواضع....................................	۱۳
۶..........	وصولی رشوت کا انوکھا طریقہ....................................	۱۴
۷..........	حقیقت دین ودنیا....................................	۱۵
۸..........	مقصدِ وعظ....................................	۱۷
۹..........	طریقِ تعلیم....................................	۱۸
۱۰..........	اعمال نسواں....................................	۲۰
۱۱..........	وقتِ تواضع....................................	۲۱
۱۲..........	تواضع میں بے ہودگی....................................	۲۲
۱۳..........	حقیقت تقویٰ....................................	۲۳
۱۴..........	رحمت حق بہانہ میجوید....................................	۲۴
۱۵..........	اعتدالِ طعام....................................	۲۵
۱۶..........	تواضع ومایوسی....................................	۲۶
۱۷..........	فضول خرچی....................................	۲۸
۱۸..........	مسئلہ ملکیت....................................	۲۹

۱۹..........	دین ومعاشرت..............................	۳۰
۲۰..........	مسئلہ تصریح..............................	۳۱
۲۱..........	مسئلہ حق العبد..............................	۳۴
۲۲..........	فضائلِ نسواں..............................	۳۴
۲۳..........	زبان نسواں..............................	۳۶
۲۴..........	بیوی کی رعایت..............................	۳۸
۲۵..........	حقیقت اہل اللہ..............................	۳۹
۲۶..........	تعلیمِ نسواں..............................	۴۰
۲۷..........	ہر علم مفید نہیں..............................	۴۲
۲۸..........	نامناسب تصنیف..............................	۴۳
۲۹..........	خواتین واخبار..............................	۴۴
۳۰..........	عورت کی تہذیب..............................	۴۶
۳۱..........	عورتیں غیر مردوں سے کس طرح بات کریں..............	۴۷
۳۲..........	حقیقت معیار..............................	۴۹
۳۳..........	پیشہ ور واعظین کا انداز..............................	۵۱
۳۴..........	وصولی چندہ کا نامناسب طریقہ..............................	۵۳
۳۵..........	بیانِ ترہیب..............................	۵۳
۳۶..........	ضرورتِ عمل..............................	۵۴
۳۷..........	خصوصیت سے عورتوں کے ذکر کی وجہ..............................	۵۵
۳۸..........	جوشِ محبت..............................	۵۵
۳۹..........	اخبار الجامعہ..............................	۵۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارک و سلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَٰمِلٖ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوۡ أُنثَىٰۖ بَعۡضُكُم مِّنۢ بَعۡضٖۖ فَٱلَّذِينَ هَاجَرُواْ وَأُخۡرِجُواْ مِن دِيَٰرِهِمۡ وَأُوذُواْ فِي سَبِيلِي وَقَٰتَلُواْ وَقُتِلُواْ لَأُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّـَٔاتِهِمۡ وَلَأُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ ثَوَابٗا مِّنۡ عِندِ ٱللَّهِۚ وَٱللَّهُ عِندَهُۥ حُسۡنُ ٱلثَّوَابِ (۱)

تمہید

یہ ایک آیت ہے جس کا ایک خاص جزو اس وقت بیان کرنے میں مقصود ہے کیونکہ اس خاص جزو میں عورتوں کے بتلانے کے قابل ایک بات ہے اس واسطے ضرورت ہوئی اسی کے مقصود بنانے کی میں اس کی تعیین ابھی کردوں گا۔ اسی سے وجہ معلوم

(۱) ''سو منظور کرلیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہوگئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کردوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے'' (سورہ آل عمران: ۱۹۴۔۱۹۵

ہوجائے گی، اس آیت کے اختیار کرنے کی۔ گو میں نے آیت پوری پڑھی ہے مگر ترجمہ اسی جُز ومقصود تک کروں گا۔

حقیقت عمل

اول سمجھ لیجئے کہ اس سے اوپر حق تعالیٰ نے کچھ ذکر کیا ہے اہل طاعت کا اور ان کے بعض اقوال وافعال ذکر فرمائے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ وہ ذکر کرتے ہیں حق تعالیٰ کا اور کائنات میں تفکر(۱) کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں وہ دعائیں نقل فرمائی ہیں اورنقل کیا فرمائی ہیں بلکہ تعلیم فرمائی ہیں۔ نہایت پاکیزہ اور جامع دعائیں ہیں اس کے بعد یہ آیت ہے جو میں نے پڑھی۔ فَٱسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کی درخواست منظور کی گئی۔ اگلے جملے میں اس کی وجہ ارشاد ہے: أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَٰمِلٖ مِّنكُم یہاں لام مقدر ہے یعنی تقدیر لِاَنِّیۡ ہے مطلب یہ ہوا کہ درخواست ان کی اس وجہ سے منظور ہوئی کہ میری عادت یہی ہے کہ میں کسی شخص کا عمل اور کسی کام کرنے والے کا کام ضائع اور برباد نہیں کیا کرتا چونکہ دعاء بھی عمل ہے اس واسطے اس کو بھی میں نے ضائع نہیں کیا بلکہ اس کو منظور کرلیا اور وہ جو سوال کرتے ہیں وہ میں پورا کروں گا۔ ایک تو یہ توجیہ ہے اور ایک یہ ہے کہ أَنِّي کی تقدیر لِاَنِّیۡ نہیں ہے اور یہ علت نہیں ہے فَٱسۡتَجَابَ کی بلکہ یہ جملہ مفعول ہے استجاب کا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے اس بات کو منظور فرمایا کہ ان کا کوئی عمل ضائع نہیں کریں گے۔ اس میں دعا بھی آگئی اور اعمال بھی آگئے۔ اور گو اوپر اعمال کے ضائع نہ کرنے کی درخواست نہیں تھی پھر استجاب کے کیا معنی مگر اعمال تو مذکور ہیں یذکرون (نصیحت حاصل کرتے ہیں) اور یتفکرون (غور کرتے ہیں) میں جواب اعمال کوشامل ہے۔ لماقالوا کل مطیع للّٰہ فھو ذاکر (اللہ کی اطاعت کرنے والا ذاکر ہے) اور جو شخص عمل کرتا ہے بہ نیت قبول کے کرتا ہے توعمل کرنا بھی درخواست ہے ضائع نہ کرنے کی،

(۱) غوروفکر۔

پس اس طرح سے عدم اضاعت (۱) کا استجاب (۲) کا مفعول بہ ہوگیا یہ تو توجیہ کا اختلاف ہے لیکن ہر حال میں خلاصہ مشترک اس کا یہ ہے کہ یہ بات معلوم کرادی گئی کہ خدا تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتے یہ مضمون ایسا ہے کہ سب جانتے ہیں اور جا بجا آیتوں میں مذکور ہے چنانچہ کئی جگہ آیا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (۳) فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (۴)

بہرحال اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور اس میں کوئی اشتباہ نہیں (۵) کہ خدا تعالیٰ کسی کا کام ضائع نہیں کرتے۔ چونکہ یہ بہت ظاہر اور مسلم بات ہے لہٰذا اس وقت یہ بیان سے مقصود بھی نہیں۔

حقیقت تواضع

مقصود وہ ہے جو آگے ہے یعنی تعمیم (۶) اس حکم کی کہ عامل کوئی ہو خواہ مرد ہو یا عورت سب کے لیے یہ حکم عام ہے جو نیک عمل کرے اس کا عمل ضائع نہیں کیا جائے گا اور یہ امر مقصود بالبیان (۷) اس واسطے تجویز ہوا کہ عورتیں یوں سمجھتی ہیں اور آج کل کی عورتوں پر کیا منحصر ہے پہلے بھی ایسے ہی ہوا تھا کہ عورتیں یہ سمجھتی تھی کہ ہم کوئی چیز نہیں بالکل ردی اور بیکار چیز ہیں اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی چنانچہ شان نزول اس کی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ مردوں کے لیے ہجرت کے بڑے فضائل آئے ہیں عورتوں کا کچھ ذکر نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ مضمون کچھ تو عورتوں کے ذہن میں خود ہی ہے اور کچھ بعض مضامین کے سننے سے پیدا ہو گیا ہے۔ جو واعظ (۸) بیان کرنے کو اٹھتا ہے وہ عورتوں کی مذمت (۹) ہی کرتا ہے۔ اور ان کے عیوب ہی بیان کرتا ہے۔

ایسے ہی مضامین سنتے سنتے عورتوں کی طبیعتیں سرد ہوگئی (۱۰) ہیں اور یہ کلیہ

---

(۱) ضائع نہ ہونا (۲) قبول ہونے کا (۳) ''یقینا اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے'' سورۃ التوبہ: ۱۲۰ (۴) ''سو جو شخص (دنیا) میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا'' سورۃ الزلزال: ۷ (۵) کوئی مسئلہ نہیں (۶) اس حکم کا عام ہونا (۷) بیان کا مقصود اس لیے قرار دیا (۸) مقرر (۹) برائی (۱۰) ٹھنڈی پڑگئیں۔

انہوں نے ذہن میں جما لیا ہے کہ ہم بُرے اور بیکار ہیں۔ وہ مضامین بہت سے صحیح بھی ہیں اور یہ کلیہ جو ان کے ذہن میں آیا ہے بہت کارآمد چیز ہے کیونکہ یہ تواضع ہے اور اپنے آپ کو مٹانا ہے۔ مگر چونکہ ایک ہی قسم کے مضامین پر کفایت کی جاتی ہے اور دوسرا رُخ نہیں دکھلایا جاتا ہے اس واسطے مفید نہ رہا۔ کیونکہ ہر چیز اپنے موقع پر ٹھیک ہوتی ہے جو عورتوں میں عیوب ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں لیکن صرف عیوب ہی نہیں ہیں کچھ اوصاف حمیدہ بھی ہیں (۱) عیوب کو اپنے موقع پر اور اوصاف حمیدہ کو اپنے موقع پر بیان کرنے سے نفع ہوسکتا ہے۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے اور دونوں میں سے صرف ایک ہی شق کو بیان کیا جائے تو کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا بلکہ وہ بیان بالکل مہمل اور بیکار ہوجاتا ہے۔ اور گو اپنے آپ کو لاشے سمجھنا فی نفسہ (۲) بہت نافع ہے۔ کیونکہ تواضع ہے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو بالکل بیکار سمجھنا کسی عارض سے مضر بھی ہے۔ اگر طبیعت سلیم ہو تو اپنے آپ کو جس قدر کم سمجھے اسی قدر نفع ہوتا ہے اور اگر طبیعت سلیم نہ ہو تو نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ ضرر ہوتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ نیستی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اہل اللہ نے بڑی کوششیں کیں کہ اپنے آپ کو مٹادیں کسی شمار ہی کا نہ رکھیں (۳)۔ انہوں نے اس کی کوششیں کیں اور منجانب اللہ پر حالتیں بھی ایسی طاری ہوئیں جس سے ہستی بالکل مٹ جائے۔

باوجودت آواز نیامد کہ منم (۴)

ان کو یہ بھی کہتے شرم آتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی جانب سے بھی حالات اسی قسم کے پیش آتے ہیں کہ ان کی ہستی بالکل مٹ جائے چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے وقت میں ایک دفعہ بارش نہ ہوئی، لوگ عقیدت کی وجہ سے ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت دعا کیجئے کہ بارش ہوجائے فرمایا میں کیا دعا کروں یہ میری ہی آفت ہے یہ میری ہی شامتِ اعمال ہے کہ بارش نہیں ہوتی اس کو معتقدین کب تسلیم

(۱) خوبیاں بھی ہیں (۲) اپنی ذات کی کلیۃً نفی کرنا یعنی اپنے کو مٹانا بہت مفید ہے (۳) حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: خودی کو تو مٹا اتنا کہ ہر ہر بات سے پہلے ✿ تڑپ ہو دل میں یہ پیدا کر مولا کی رضاء کیا ہے
(۴) ''اس کے باوجود آواز نہیں آتی کہ میں ہوں''۔

کرتے عرض کیا کہ حضرت آپ تو مقبول بندے ہیں اور بزرگ ہیں اور چنان وچنیں ہیں آپ یہ کیا فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نحوست ہے ہمارے واسطے استغفار کردیجیئے کہ حق تعالیٰ ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرماویں اور اپنی طرف سے رحمت نازل فرماویں فرمایا میں سچ کہتا ہوں کہ یہ میری ہی نحوست ہے جب تک میں شہر میں رہوں گا رحمت نہ ہوگی۔ لوگ مجبور ہوئے اور ان کو شہر سے باہر پہنچادیا بس ان کا شہر سے نکلنا تھا کہ فوراً بارش ہوگئی۔ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کے معاملات کا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ ان کی تربیت کی تکمیل مقصود تھی اس واسطے ایسا ہوا کہ جب وہ شہر میں رہے بارش نہیں ہوئی گو اس میں یہ راز ہوسکتا ہے کہ اس تواضع پر عمل کرنے کی برکت سے بارش ہوئی ہو۔ غرض وہ لوگ خود اپنے آپ کو مٹاتے ہیں اور حق تعالیٰ بھی ان کے واسطے ایسا ہی سامان کرتے ہیں کہ ان کی ہستی بالکل مٹ جائے۔

شیخ احمد رفاعی کی حکایت

اپنے آپ کو مٹانے پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک بزرگ تھے سید احمد رفاعیؒ یہ حضرت سیدنا غوث پاک کے معاصر(۱) ہیں یہ اتنے بڑے شخص ہیں کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے وہاں روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ذوق وشوق کی حالت میں یہ شعر پڑھے۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض منی وھی نائبتی
وھذہ نوبة الاشباح قد حضرت فامدد یدیك لکی تحظی بھا شفتی(۲)

جن کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم دور تھے تو اپنی روح کو بھیج دیا کرتے تھے۔ وہ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر زمین بوس ہوجایا کرتی تھی اب جسم کے حاضر ہونے کی نوبت آگئی ذرا اپنے دستِ مبارک کو بڑھایئے تاکہ میرا لب اس سے بہرہ ور(۳) ہوسکے ہونٹوں کو یہ دولت نصیب ہوجائے۔ جلال الدین سیوطی نے نقل کیا ہے کہ روضۂ منورہ کے اندر سے ایک نہایت نورانی ہاتھ ظاہر ہوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھا۔

(۱) کے زمانے میں ہوئے ہیں (۲)۔۔۔۔۔(۳) میں بوسہ دے سکوں۔

انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بیہوش ہو گئے بس ہاتھ غائب ہو گیا مگر کیفیت یہ ہوئی کہ تمام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نور ہی نور پھیل گیا۔ ایسا نور کہ اس کے سامنے آفتاب کو بھی حقیقت نہ تھی اور واقعی آفتاب (۱) کی اس نور کے سامنے کیا حقیقت ہوتی۔ جب ان کو افاقہ ہوا تو خیال ہوا کہ میری بڑی عظمت ظاہر ہوگی جس سے میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ بس کیا کیا کہ دروازہ پر جا کر زمین پر لیٹ گئے اور پکار کر کہا کہ میں سب کو قسم دیتا ہوں کہ میرے اوپر سے پھاندتے ہوئے اور مجھ کو روندتے ہوئے جائیں یہ اس واسطے کیا کہ عُجب پیدا نہ ہو جائے کہ میں ایسا ہوں کہ میرے واسطے ایسا ایسا ہوا۔ چنانچہ کوتاہ نظر عوام الناس نے یہی کیا کہ سب ان کے اوپر کو پھاندتے ہوے گئے۔ ان کو اس میں لطف آتا تھا اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی کہ ابھی کیا شان تھی اور ابھی کیا گت بن رہی ہے۔ ایک بزرگ سے جو کہ اس مجمع میں موجود تھے اس قصے کے بعد کسی نے پوچھا کہ آپ بھی ان کے اوپر پھاند کر گئے تھے کہا توبہ توبہ یہ کیسے ہوسکتا تھا خدا کا غضب فوراً نازل ہوتا اگر میں ایسا کرتا۔ عوام تو معذور ہیں کیونکہ ان کو پہچانتے نہ تھے۔ اور جو ان کو پہچانتا ہو وہ بے ادبی کرے تو فوراً پکڑ لیا جائے گا۔ ان بزرگ سے اس شخص نے یہ بھی پوچھا کہ آپ کو رشک تو بہت ہوا ہوگا۔ فرمایا میں تو کیا اس وقت ملائکہ کو بھی رشک تھا کہ ہمیں بھی یہ دولت نصیب ہوتی۔ تو اخفاء کمالات (۲) کی یہ حالت ہوتی ہے اور کبھی کسی کمال کو ظاہر بھی کر دیا ہے تو وہ اس اظہار کے ماذون بلکہ مامور تھے (۳)۔ سو جب اس کے اظہار کے لیے کوئی حکم ہو جاتا ہے اس کو نہیں چھپا سکتے اس وقت کوئی بات ظاہر ہو جاتی ہے سو کمالات کو چھپایا ہے بلاغات (۴) کو نہیں چھپایا ہے یعنی احکام کو پوشیدہ نہیں رکھا لیکن اس صورت میں بھی جبکہ حکم سے ان کا کوئی کمال ظاہر ہو گیا تو انہوں نے دوسرے طریق سے اپنے آپ کو اس قدر مٹایا کہ کسی کو نیک گمان ان کی طرف سے ہو ہی نہ سکے۔ یہ حالت تھی مٹانے کی۔ جو آپ نے ابھی سُنی۔

---

(۱) سورج (۲) کمالات کو چھپانے کی (۳) اس اظہار کی اجازت (۴) ویسی بات نہیں چھپائی جس کو بیان کرنے کا حکم ہو۔

نتائجِ تواضع

غرض اپنے آپ کو مٹانا جس کو تواضع کہتے ہیں۔ بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے بندگان خدا نے سلطنتیں چھوڑ دیں دنیا بھر کی پرواہ نہ کی۔ کوئی بات تو تھی، جس کی بدولت دنیا بھر سے اس کو ترجیح دیتے تھے۔ تو یہ صفت جس درجہ تک بھی کسی میں ہو محمود اور مقصود ہونی چاہئے۔ مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر طبیعت سلیم نہ ہو تو اس سے نقصان بھی پہنچتا ہے۔ چنانچہ مایوسی اور ناامیدی پیدا ہوجاتی ہے۔ انسان سمجھنے لگتا ہے کہ میں تو کچھ ہوں ہی نہیں نہ میرا نماز روزہ کچھ ہے نہ اتنی طاقت ہے کہ مقصود تک پہنچوں۔ مقصود ہر طرح دور ہی دور ہے۔ بس اس وقت شیطان بہکاتا ہے کہ ارے بیٹھ بھی رہ محنت بھی کرے گا دنیا کے لذات کو بھی چھوڑ دے گا اور ہوتا واتا کچھ ہے نہیں بس یہ شخص مایوس ہوکر کام چھوڑ بیٹھتا ہے۔ یہ سب اسی تواضع کے نتائج ہیں جس کو غلطی سے علی الاطلاق محمود کہا جاتا ہے اور جس میں واقع میں تفصیل ہے۔ اور یہ نہ سمجھئے کہ یہ دھوکہ عوام ہی کو لگتا ہے۔ درویشوں کو بھی لگتا ہے۔

ایک شخص ذکر اللہ کرتا تھا۔ تہجد کو اٹھتا تھا۔ شیطان نے کہا ارے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے اللہ اللہ کرنے کے لیے۔ تو نے اتنا اللہ اللہ کیا، کیا فائدہ ہوا۔ دماغ خراب کیا۔ مغز مارا مگر وہاں سے کوئی رسید ہی نہیں ملتی۔ بس وہ شخص مایوس ہوکر آرام سے مکان میں جاکر سو رہا۔ اور سوتے وقت ہی نیت کرلی کہ تہجد کو نہ اٹھوں گا۔ فائدہ کیا جب اتنے دن محنت کی اور کچھ نہ ہوا تو آگے ہی کیا ہوگا۔ بس وہ کام سے رہ گیا۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ اعمال صالحہ پر جب ثمرات مرتب نہ ہوئے اعمال سے بددل ہوجاتے ہیں۔ دنیا دار تو ظاہری ثمرات کو دیکھتے ہیں اور دیندار باطنی ثمرات کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ دنیا داروں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا دنیا کی فلاح میں دیر ہوئی تو دین سے بیزار ہوگئے۔ چنانچہ ہمارے عزیزوں میں ایک صاحب سب انسپکٹر تھے۔ جو نماز نہیں پڑھتے تھے اور ان کی بیوی نمازی تھی۔ ایک دن بیوی نے کہا کہ آپ بھی نماز پڑھا کیجئے۔ کہنے لگے کہ تجھ ہی کو نماز

سے کیا وصول ہوتا ہے جو میں بھی پڑھا کروں وصول کیا ہوتا ہے۔

وصولی رشوت کا انوکھا طریقہ

آج کل لوگ وصول اسے سمجھتے ہیں جیسے ایک پیش کار صاحب تھے۔ وظیفچی (۱) بہت تھے صبح کی نماز کے بعد مصلّے ہی پر بیٹھے رہتے اور وظیفہ پڑھتے رہتے اشراق پڑھ کر مصلے اٹھایا جاتا۔ مگر اس مصلے پر ہی بیٹھے بیٹھے رشوت لیتے مصلے اور رشوت کا بھی کیا جوڑ ملایا ہے۔

ہر گناہے کہ کنی در شب آدینہ بکن　　　تا کہ از صدر نشیناں جہنم باشی (۲)

اہل معاملہ آتے اور رشوت کی بات چیت کرتے تو یہ منہ سے نہ بولتے اشاروں میں جواب دیتے کہ ایک انگلی اٹھادی مطلب یہ ہوا کہ ایک سولیں گے دو اٹھاویں دوسولیں گے۔ پانچ اٹھاویں پانسو لیں گے۔ بولتے اس واسطے نہیں کہ وظیفہ خراب ہوجائے گا۔ یہ عجیب بات ہے کہ وظیفہ میں بولنا تو ناجائز مگر رشوت لینا جائز یہ تقویٰ کلابی کہلاتا ہے کہ کتا ٹانگ اٹھا کر موتتا ہے ایسا محتاط ہے کہ ٹانگ کو پیشاب سے بچاتا ہے مگر منہ سے پائخانہ کھاتا ہے پاؤں موت (۳) میں آلودہ نہ ہو چاہے منہ گوہ میں بھر جائے۔ اور گوہ پیٹ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح یہ پیشکار صاحب زبان تو بچاتے کہ وظیفہ خراب نہ ہوجائے مگر پیٹ کو رشوت سے بھر لیتے۔ کوئی کہتا اتنا لایا ہوں پیشکار صاحب اشارہ سے کہتے نہیں اتنا لیں گے خیر اسی طرح لوٹ پھیر کر کے رشوت اشاروں ہی میں طے ہوجاتی۔

میان عاشق ومعشوق رمزے نیست　　　کراما کاتبین راہم خبر نیست (۴)

جب اشراق پڑھ کر اٹھتے تو ڈیڑھ سو دو سو تین سو روپے مصلے کے نیچے سے نکلتے۔ یہ روز کی آمدنی تھی، کسی منحوس دن میں ایسا ہوتا کہ دس بیس روپے ہوتے یہ بار آور نماز تھی اسی کو وصول سمجھا جاتا ہے تو انسپکٹر صاحب نے جو بیوی سے سوال کیا کہ تجھے نماز

(۱) وظیفے بہت پڑھتے تھے (۲) ''جو گناہ کرنا ہے شب جمعہ میں کرو تا کہ جہنم میں صدر نشین تو بن سکو'' (۳) پیشاب (۴) ''عاشق اور معشوق کے درمیان اشارہ ہے کراماً کاتبین کو اس کی خبر نہیں ہے''۔

سے کیا وصول ہوتا ہے یہی وصول مراد ہوگا۔ اسی بناء پر جو نماز پڑھی اور روپیہ نہ ملا تو ان کا کہنا ٹھیک ہے کہ فائدہ کیا ہوا۔

حقیقت دین ودنیا

بعضے لوگ اسی واسطے اعمال کرتے ہیں کہ دنیا حاصل ہو۔ روپیہ پیسہ ملے۔ دنیا کی حاجتیں پوری ہوں یہ تو اہل دنیا کے قصے ہیں۔ ان قصوں کو سنکر دیندار ہنستے ہیں کہ کیا دینداری ہے کہ دین کو ذریعہ بنایا دنیا کے حاصل کرنے کا مگر یہ لوگ سن لیں کہ آپ میں سے بھی بعضے انہیں کی طرح دنیا میں مبتلا ہیں اور دین سے دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس طرح مبتلا ہیں کہ ذکر شغل سے خاص ثمرات کے طالب ہوتے ہیں اس طرح کہ فقیر بنیں لوگوں میں مشہور ہوکہ یہ بزرگ ہیں اور مجاہدے کرتے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں میں ان کی عزت ہو اگر کبھی کسی وجہ سے ان کی عزت میں فرق آ گیا تو سمجھے کہ ہمارا ذکر شغل بیکار ہے، کیونکہ اس کا ثمرہ نہیں پایا جاتا۔ یہ تو طالب جاہ ہیں[(۱)] اور بعضے طالب کیفیات ہوتے ہیں اگر کبھی کیفیات نہ طاری ہوئیں تو دل گھٹ گیا۔ یہ طلب کیفیات کسی درجہ میں طبعی بات ضرور ہے مگر سمجھدار آدمی کو کیفیات پر نظر نہ رکھنا چاہئے۔ اسی طرح جاہ کی حالت ہے کہ اکثر دیندار کی عزت ذہنوں میں ہوتی ہے لیکن ذکر سے اس عزت کو مقصود نہ بنانا چاہئے اس طرف التفات ہی نہ کرنا چاہیے کہ کوئی عزت کی نظر سے دیکھے یا ذلت کی نظر سے ان کو اس کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے ورنہ یہ ہوتا ہے کہ بعض وقت جو کم فہموں میں ان کی عزت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے قلب میں دین ہی کی وقعت نہیں ہوتی تو یہ اس ذلت کو دیکھ کر عمل ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ غرض وہ شخص جو رسید کا منتظر تھا یہ نیت کر کے سو گیا کہ میں تہجد کو نہ اٹھوں گا۔ خواب میں فرشتہ کے ذریعہ سے اس کو متنبہ کیا گیا۔ بات یہ ہے کہ اس نے تو ذکر کو چھوڑنا چاہا مگر حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اس کو اس طرح چھوڑ دیں۔ فرشتے نے کہا کہ بھائی حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ آج تو نے میرا نام کیوں نہیں لیا۔ کہا میں عرصہ سے نام لیتا تھا مگر ادھر سے

(۱) اقتدار کے طالب۔

کچھ جواب ہی نہ ملتا۔ میں یہ سمجھا کہ میرا عمل قبول نہیں ہوتا۔ جب عمل قبول نہیں ہوتا تو اس کا کرنا فضول ہے میں پکارتا ہوں مگر ادھر سے نہ سلام ہے نہ جواب ہے۔ بس میری ہمت ٹوٹ گئی جواب میں ارشاد ہوتا ہے جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں۔

گفت آں اللہ تو لبیک ما است ویں نیاز وسوز ودردت پیک ما است (۱)

یعنی وہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے اگر ہم کو تیرا اللہ اللہ کہنا پسند نہ ہوتا تو دوبارہ توفیق ہی نہ ہوتی۔ تمام عالم بھرا پڑا ہے اللہ اللہ کون کرتا ہے سو اس کے جس کو ہم توفیق دیں۔ جب ہم نے توفیق دی تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم کو تیرا عمل پسند ہے یہ بات ذاکرین کے لیے کس قدر تسلی دہ اور ہمت بڑھانے والی ہے گو ہمارا ذکر ہرگز اس قابل نہیں کہ قبول کیا جاسکے مگر ان کی رحمت ہے کہ ایسے ذکر بھی قبول کر لیتے ہیں مولانا دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ایں قبول ذکر تو از رحمت است چوں نماز مستحاضہ رخصت است (۲)

دیکھئے مستحاضہ کی اور بیمار کی کیا نماز ہے خون پیپ بہ رہا ہے احکم الحاکمین کے دربار میں ان نجاستوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی کیا ہمت ہوسکتی ہے مگر یہ حکم ہے کہ اسی طرح پڑھ لو (۳)۔ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسی نماز بھی قبول کر لی جاتی ہے۔ خیر اس شخص سے فرشتہ نے کہا کہ تو نے غلط سمجھا ایک بار کے بعد دوبارہ ذکر کی توفیق ہوئی تو قبول ہی کی علامت ہے اس کو سن کر اس کا دل بڑھا اور اٹھ بیٹھا اور تہجد پڑھا اور ذکر کرنے لگا۔ غرض دل گھٹنے سے عمل میں قصور رہتا ہے کیونکہ عمل کرنے والا یوں سمجھتا ہے کہ میرا عمل کسی کام کا تو ہے نہیں پھر میں کیوں تکلیف اٹھاؤں اور دوسرے کاموں

(۱) ’’تیرا اللہ ہی کہنا ہمارا جواب ہے اور تیرا یہ سوز ونیاز اور درد ہمارا قاصد ہے‘‘ (۲) ’’یہ تمہارا ذکر قبول کرنا حق سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت ہے جس طرح استحاضہ والی عورت کی نماز بوجہ عذر قبول کی جاتی ہے‘‘ (۳) عورت کو اگر مسلسل خون آتا ہو بند ہی نہ ہو اس کو استحاضہ کہتے ہیں حیض کے زمانے میں تو نماز معاف ہے استحاضہ کے زمانے میں نہیں اب حالانکہ خون نکلنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لیکن مستحاضہ کے لیے یہ حکم ہے ہر نماز کا جب وقت داخل ہو وضوء کر کے نماز پڑھ لے خون نکلنے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے۔

میں کیوں خرچ کروں؟

مقصدِ وعظ

بعضے واعظ ایک طرف سے سب کو ایک ہی طرح ہانکنا شروع کردیتے ہیں انکے تمام بیان میں ترہیب ہی ترہیب[1] ہوتی ہے انہوں نے ترغیب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ بس ان کا وعظ یہ ہوتا ہے کہ تمہاری نماز کچھ نہیں تمہارا روزہ کچھ نہیں حج تمہارا بیکار زکوٰۃ تمہاری فضول، اس کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ سننے والے نماز روزہ اور اعمال کی اصلاح کریں بلکہ ہمت ہار کر جو کچھ بُرا بھلا کرتے تھے اس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ جیسے ایک گنوار کا قصہ ہے کہ گاؤں میں ایک واعظ صاحب آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ جب تک نیت نہ کرے روزہ نہیں ہوتا اور نیت بتائی کہ یوں کہنا چاہئے بصوم غدٍ نویت۔ کوئی ایسے ہی ٹٹ پونجیا[2] واعظ ہوں گے جیسے گشتی واعظ اور کھانے کمانے والے ہوا کرتے ہیں ورنہ نیت کی حقیقت بھی بیان کردیتے پھر غلطی نہ ہوتی۔ اگلے دن کیا دیکھتے ہیں کہ دن میں چودھری صاحب بے دھڑک حقہ پی رہے ہیں کہا مردود رمضان ہے تونے روزہ نہیں رکھا۔ کہا مولوی جی خفامت ہو تم ہی نے تو مسئلہ بیان کیا تھا کہ بے نیت کے روزہ نہیں ہوتا اور جو نیت تم نے بتائی تھی وہ مجھے یاد نہیں ہوئی اب اسے یاد کرکے روزہ رکھا کروں گا۔ آج میں نے سوچا کہ جب روزہ تو ہوا ہی نہیں پھر حقہ کا ذائقہ کیوں چھوڑوں۔ اس حکایت کو سن کر ہم لوگ ہنستے ہیں اور اس روزہ نہ رکھنے والے کو گنوار اور بیوقوف سمجھتے ہیں مگر انصاف سے کہیئے کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ قصور واعظ کا ہے کہ بات کہی مگر ادھوری مسئلہ اس طرح بتایا کہ اس گنوار سے اس پر عمل نہ ہوسکا جب اس نے دیکھا کہ اس طرح عمل کرنا میرے بس کا نہیں ہے تو عمل ہی کو چھوڑ دیا۔ یہی اثر ان واعظوں کے بیان کا ہوتا ہے جونری ترہیب ہی ترہیب بگھارتے ہیں[3] اور اس کی

(۱) کم علم واعظ (۲) مضامین خوف (۳) جو صرف خوف کے مضامین بیان کرتے ہیں۔

تائید میں پرانے بزرگوں کے مجاہدوں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے پانی پینا چھوڑ دیا تھا فلاں بزرگ نے جوتا پہننا چھوڑ دیا تھا۔ فلاں بزرگ نے تمام عمر میں اتنے جَو کھائے تھے تم کیا کر سکتے ہو۔ تمہاری کیا نماز ہے تمہارا کیا روزہ ہے، تمہارا کیا ذکر ہے، کیا شغل ہے، بس سننے والے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم ایسے تو ہونے سے رہے اور بلا ایسے ہوئے کسی شمار میں نہیں لہٰذا قصہ ختم کرو کہ کچھ بھی نہ کرو۔

طریقِ تعلیم

میں مشورہ دیتا ہوں اہل تربیت کو کہ کبھی ایسی سخت تعلیم نہ کریں۔ اگر کسی سختی کی ضرورت بھی ہو تو عنوان اس کا نرم ہونا چاہیے۔ اس میں راز وہی ہے کہ طالب کو وحشت نہ ہو جاوے اور اس کو گراں سمجھ کر اصل کام سے بھی نہ رہ جائے۔ اتنی تنگی نہیں چاہیے کہ وہ اس کو تکلیف مالا یطاق (۱) سمجھ لے۔ میں بعض دفعہ دوستوں کو مستحبات کی تاکید نہیں کرتا اس وجہ سے کہ کہیں وہ تنگ ہو کر ضروریات سے بھی نہ رہ جائیں۔ اس واسطے میں کہتا ہوں کہ موقع اور محل میں مخاطب کی خاص حالات کی رعایت کی نہایت ضرورت ہے بعض لوگ سختی کرتے ہیں اور طالبین کو مشکلات میں ڈال دیتے ہیں۔ میں مخاطب کی رعایت بہت زیادہ کرتا ہوں حتٰی کہ بعض وقت کسی کے ساتھ بہت نرمی کی جاتی ہے اور کسی فعل پر روک ٹوک نہیں کی جاتی جو ظاہراً مداہنت ہی معلوم ہوتی ہے اس پر بعض دیکھنے والے کہنے لگتے ہیں کہ اس شخص کو یہ ٹوک دیتے یا اس کام کا (۲) امر کر دیتے تو یہ شخص ضرور مان لیتا ایسے موقع پر چوکنا نہ چاہیے (۳) تھا۔ بات یہ ہے کہ کہ ہر کام کا ایک آدمی ہوتا ہے وہ اس کے موقع محل کو سمجھتا ہے۔ اس کو مشورہ دینے کی ضرورت نہیں اور مشورہ دینا بھی ہو تو اس وقت نہیں دینا چاہیے یہ تو اعتراض کی صورت

(۱) ناقابل برداشت تکلیف سمجھے (۲) حکم (۳) جیسے ایک ڈپٹی صاحب کو ریل کے سفر میں نماز کے وقت حضرت والا نے نماز کے لیے نہ کہا اور خود نماز پڑھی جس کو انہوں نے دیکھا لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ معتقد ہیں اگر حضرت والا ذرا اشارہ کرتے تو نماز میں ضرور شریک ہو جاتے لیکن اس چشم پوشی کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود بہت شرمندہ ہوئے اور ہمیشہ کے لیے نمازی بن گئے ۱۲۔

ہے اگر خیر خواہی اور دلسوزی ہے تو کسی وقت تنہائی میں کہہ دیا جائے تو مضائقہ نہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت دوسروں کی سمجھ میں اس کے فعل کی غایت نہیں آتی۔ کیونکہ نتیجہ کچھ زمانہ کے بعد مترتب ہونے والا ہوتا ہے جس کو یہ سمجھتا ہے دوسرا نہیں سمجھتا اس لیے وہ اس فعل کو فضول سمجھ رہا ہے۔ دیکھئے اناج ربیع میں بویا جاتا ہے بوتے وقت کوئی ناواقف دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ اتنا اناج مٹی میں غارت کیا جارہا ہے لیکن بونے والا جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ چندروز میں نکلے گا اور اس تلف شدہ اناج کا بدلہ دو چند سہ چند[۱] ملے گا۔ غرض جس شخص کو کسی کام کا اہل مان لیا جاوے اس کے افعال پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اگر کسی کے فعل کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو کسی وقت اس سے بطور عرض کے سوال کیا جاسکتا ہے اعتراض کی اصلاً گنجائش نہیں کیونکہ اس کو جاننے والا تسلیم کیا جاچکا ہے اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ بعض لوگ مدرسوں میں جاتے ہیں تو طرح طرح کی رائے دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ کورس ایسا ہونا چاہئے کوئی کہتا ہے خودداری کی تعلیم ہونا چاہئے۔تم کیا جانو جو لوگ اس کے اہل ہیں جن کے ہاتھ میں مدرسہ ہے وہ اس کے نشیب وفراز کو سمجھ سکتے ہیں یا آپ؟ بس جب آپ نے ان کے ہاتھ میں مدرسہ دے دیا ہے تو ان کی رائے میں دخل نہ دیجئے ہاں اگر ان میں نااہلیت ثابت ہوجائے تو ان کو معزول کرکے کسی دوسرے اہل کے ہاتھ میں مدرسہ دیدیجئے۔ اور اس دوسرے کے بارے میں بھی یہی کہوں گا کہ اس کی رائے میں دخل مت دینا یہ بڑی غلطی ہے کہ ایک شخص کو کسی کا اہل مان کر پھر اس کی رائے کو نہ مانا جائے اور اس کے مقابلہ میں رائے زنی کی جائے۔غرض جو آدمی جس کام کا ہو اس کو کام کرنے دو۔ میرے یہاں بعض وقت کسی پر تشدد بھی کیا جاتا ہے جس پر بعض دفعہ دوسروں کو رحم آتا ہے لیکن میرے یہاں (میں دعوے سے نہیں کہتا) بفضلہ تعالی جس کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا اخیر میں اکثر وہ اسی کا اہل ثابت ہوا۔ یہ کچھ میرا کمال نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تائید ہے خلاصہ یہ کہ مخاطب کی رعایت کرنا عموماً نہایت ضروری ہے اور خصوص اہل تربیت کے لیے تو بہت ہی لازم ہے اور یہ طریقہ مفید نہیں کہ

(۱) دگنا تین گنا۔

جب بیان ہوتو ترہیب ہی کا ہو جیسا آج کل واعظوں کی عادت ہے۔

اعمال نسواں (۱)

اگر عورتوں کو ہمیشہ دوزخی، دوزخی کہا جائے گا تو دو خرابیاں ہوں گی یا تو وہ نماز روزہ بالکل ہی چھوڑ دیں گی یا کریں گی مگر دل بجھا ہوا رہے گا۔ رحمت سے مایوسی ہو جائے گی اور آپ نے سنا ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے یہ عجیب بات ہے کہ واعظ صاحب ممبر پر تو بیٹھتے ہیں تقویٰ سکھلانے کو اور طرز بیان ایسا ہے جس نے ایک مؤمن کو کافر یا قریب بکفر بنا دیا یا اس کا دل شکستہ (۲) کر دیا حتیٰ کہ وہ بیچاری اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے محروم سمجھنے لگی میں نہیں سمجھتا کہ آخر عورتوں کو بات بات پر دوزخی کیوں کہا جاتا ہے کیا وہ نماز نہیں پڑھتیں کیا وہ روزہ نہیں رکھتیں روزہ رکھنے میں تو وہ مردوں سے بھی آگے ہیں۔ غرض جس طرح مرد عمل کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں۔ اگر ان کے اعمال کو بیکار کہا جاتا ہے تو کیا مردوں کے سب اعمال با کار ہیں (۳)۔ سچ بات یہ ہے کہ حقیقت پر اگر نظر کی جاوے تو عمل تو سب ہی کے بیکار ہیں حق تعالیٰ کی شان کے موافق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا۔ پھر کسی فریق کو کیا حق ہے کہ اپنے عمل کو با کار سمجھے اور دوسرے کے اعمال کو بے کار۔ اگر ایک فریق کو حق تعالیٰ کی رحمت سے ایسے بیکار اعمال کے قبول ہو جانے کی امید ہو سکتی ہے، تو دوسرے فریق کو کیوں نہیں ہو سکتی؟ اول تو نجات کا اصلی مدار رحمت پر ہے مگر عمل کو جتنا دخل ہے عورتیں بھی اس سے محروم نہیں۔ عورتیں بھی عمل کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں تو سب کو ایک لکڑی ہانکنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ واعظوں کی مہربانی سے عورتوں کے ذہن میں علی العموم (۴) یہ بات جم گئی ہے کہ ہمارے اعمال بالکل نکمے ہیں اور ہمارا انجام دوزخ کے سوا کچھ نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمت ہار دی اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتیں۔ میں کہتا ہوں یہ بڑی غلطی ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تنگ نہیں ہے نہ کسی کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے تمہاری نماز لنگڑی لنجی

(۱) عورتوں کے اعمال (۲) دل توڑ دیا (۳) کارآمد (۴) عام طور پر۔

کیسی بھی سہی اگر مردوں کی نماز حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر رکھتی ہے تو تمہاری نماز بھی وہی قدر رکھتی ہے۔ بیبیو! ہمت نہ ہارو اور ایسے واعظوں کے کہنے کو مت سنو حق تعالیٰ کی رحمت تو تم پر اسی وقت متوجہ ہوگئی جب تم کو نماز کی توفیق دی۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا؟ یہ قول بہت اچھا ہے مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے اس معنی کر یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہئے۔ اور ایک حیثیت یہ کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اس کی توفیق دی اس معنی کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ نماز لنگڑی لنجی ہو اس حیثیت سے کہ عطیہ خداوندی ہے بہت بڑی نعمت ہے اگر اس کی بھی توفیق نہ ہوتی تو کیا کرتے۔ اگر ایک شخص کو روکھی روٹی ملے تو اس کو ناک مار کر کھانا کفران نعمت ہے کیونکہ اگر یہ بھی نہ ملتی تو اس کا کیا بس تھا؟۔

وقتِ تواضع

اب واعظوں نے ایک حیثیت کو تو غائب کر دیا اور ایک پر نظر کر رکھی ہے لہٰذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا اور تمہارا روزہ کیا۔ واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی تو دو حیثیتیں ہیں اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔ عورتوں کو ہی خطاب کیوں کرتے ہو کہ تمہاری نماز کیا اور روزہ کیا۔ مجھے اس لفظ پر کہ اپنی چیز کو گھٹیا سمجھنا چاہئے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مرتبہ میں انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا میری اکثر عادت تو تیسرے درجے میں سفر کرنے کی ہے مگر بعض دفعہ اس میں تکلیف ہوتی ہے تو ایسے موقع پر میں اس کو بھی تکلف سمجھتا ہوں کہ تھرڈ میں سفر کرنے کو اپنی وضع بنالیا جاوے ہجوم وغیرہ کے موقع پر میں بے تکلف انٹر میں سفر کر لیتا ہوں۔ چنانچہ آرام کے خیال سے اس وقت انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا جس میں تین چار جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے عمر بھر کبھی ایسی غیر مہذب صحبت کا اتفاق نہیں ہوا جیسی غیر مہذب جماعت سے اس دن سابقہ پڑا۔ حالانکہ وہ معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے بلکہ

بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ ایک جنٹ تھے اور ایک وکیل تھے اور خدا جانے کیا تھے غرض ممتاز لوگ تھے۔

تواضع میں بے ہودگی

انہوں نے وہ خرافات آپس میں بکنا شروع کی کہ سننے والا شرما جاوے۔ اتفاق سے ایک ہندو منصف بھی اسی ڈبہ میں آبیٹھے عہدہ اس کا بھی بڑا تھا مگر غیر مذہب کا آدمی تھا جنٹلمینوں نے آپس میں فحش فحش اشعار پڑھنا شروع کئے منصف صاحب کی کمبختی آئی کہ کسی شعر پر آپ بول اٹھے کہ ہاں صاحب ذرا پھر پڑھئے انہوں نے وہ شعر تو دوبارہ پڑھا نہیں مگر منصف صاحب کے سر ہو گئے ایک بولا اچھا آپ بھی شاعر ہیں اس نے کہا جی نہیں میں شاعر تو نہیں۔ دوسرے بولے آپ ضرور شاعر ہیں اس جماعت کی یہ حالت تھی جیسے بھانڈ ہوتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر تیسرا بولا آپ یقینی شاعر ہیں آپ کا تخلص مسکین ہے ایک بولے آہاہ تو یہ شعر آپ ہی کا ہے

مسکین خر اگرچہ بے تمیز است ۔۔۔ چوں بار ہمے برد عزیز است(۱)

غرض بچارے کو ایک مشغلہ بنادیا مگر منصف صاحب کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ وہ خود ہی اپنے ہاتھوں بلا میں پھنسے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ کا خود ہی جی چاہا مسخرہ بننے کو ایسے بھانڈوں کو چھیڑا ہی کیوں تھا پھر انہوں نے ایک حرکت یہ کی کہ جب دستر خوان بچھایا اور کھانا نکالا گیا تو ایک بولے آیئے منصف صاحب آپ بھی کچھ گوہ موت کھالیجئے دوسرا بولا کہ تم بڑے بدتمیز ہو کہ کھانے کو گوہ موت کہتے ہو۔ اس نے کہا میاں اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے۔ اسی کا نام تواضع ہے اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے میں تو چادر لپیٹ کر ایک طرف کو لیٹ گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر بھی کچھ عنایت ہو خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر تو کچھ عنایت نہیں ہوئی اور شائد وہ منصف صاحب کو بھی کچھ نہ کہتے مگر ان کی کمبختی نے خود ہی دھکا دیا کہ اپنے آپ کو پنچوں میں شامل ہوئے اور بجلی کے تار کو ہاتھ لگایا۔ خیر مجھے یہ حکایت صرف

(۱) ''مسکین کا گدھا اگرچہ بدتمیز ہے چونکہ ہمارا بوجھ اٹھاتا ہے اس لیے ہمیں عزیز ہے''

اتنی مناسبت سے یاد آ گئی کہ اپنی چیز کو گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے اتنی بات تو صحیح ہے مگر جیسا گھٹیا نام ان جنٹلمینوں نے اپنے کھانے کو دیا وہ نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی کا نمونہ تھا۔ کھانے کو گوہ موت کہنا تواضع نہیں ہے کھانا خدا کا رزق ہے اس کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے مگر کسی قدر گھٹیا نام سے یاد کر سکتے ہیں مثلاً دال روٹی یا آب ونمک کہہ دیا جاوے مگر نہ اس قدر گھٹانا کہ گوہ موت ہی کہہ دیا جائے۔ کیونکہ کھانے میں یہ بھی تو ایک حیثیت کہ وہ خدا کا رزق ہے اسی لحاظ سے وہ بہت کچھ معظم ومکرم ہے غرض یہ ان کا مسخرہ پن تھا کہ رزق کے لیے ایسے الفاظ بیہودہ استعمال کئے۔

حقیقت تقویٰ

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اللہ والوں کے یہاں جیسی دیکھی کہیں نہیں دیکھی۔ چنانچہ ایک بار حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب قدس سرہٗ کے یہاں میں مہمان تھا۔ جب میں نے کھانا شروع کیا مولانا نے پوچھا کیا کھانا ہے۔ میں نے کہا ارہر کی دال اور روٹی ہے فرمایا سبحان اللہ خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دیکھو صحابہ کرام نے جہاد میں ایک ایک چھوارے پر پورا دن گزارا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو بعض وقت بدوں (۱) سالن کے روٹی کھاتے تھے کبھی سرکہ سے کھا لیتے۔ واقعی اللہ کے بندے ایسے ہی شاکر ہوتے ہیں۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ کوئی کھانا کھلاتا ہے تو اس میں دس قسم کے اعتراضات نکالتے ہیں اور جگہ جگہ گاتے پھرتے ہیں کہ فلانے کے یہاں گھی کم تھا گوشت سخت تھا۔ گلا گھونٹ پلاؤ تھا۔ گھونسے مار مار کر حلق سے اتارا گیا۔ یہ کیا بیہودگی ہے اپنے آپ کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں کہ پلاؤ قورمہ بھی نظر میں نہیں آتا اگر واقعی کھانا خراب ہی تھا اور تمہیں پسند نہ آیا تو اس کو نہ کھاتے واپس چلے آتے مگر اس کی نسبت تحقیر کے الفاظ کہنا جا بجا گاتے پھرنا یہ کہاں کی تہذیب ہے دیکھو مولانا نے ارہر کی دال کو بڑی نعمت فرمایا اور فرمایا کہ صحابہ کرام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا کھایا کرتے تھے اور

(۱) بغیر سالن۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جَو کو پیس کر پھونک سے بھوسی اُوڑا کر کھالیا جاتا تھا پھر کس کا منہ ہے کہ پلاؤ قورمہ سے بھی ناک چڑھائے۔

رحمت حق بہانہ میجوید

میں نے اپنے ایک استاد کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا میں نے پوچھا کس بات پر بخش دیا فرمایا ایک ذراسی بات پر وہ یہ کہ ایک روز گھر میں کھچڑی پکی تھی اس میں نمک ٹھیک نہ تھا۔ میں نے اس کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر چپکے بیٹھ کر کھالیا کچھ تکرار نہیں کیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں تمہاری یہ بات پسند آئی لہٰذا تم کو بخش دیا۔ ہم تو اس بناء پر ان کے معتقد تھے کہ وہ بڑے متقی تھے نماز ایسے پڑھتے تھے ذکر و شغل کرتے تھے بڑے پابند شرع تھے مگر بخشش ان کی اس پر ہوئی کہ بے نمک کی کھچڑی خوشی سے کھالی تھی۔ حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا زہد و طاعت اور اتقا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہمارا عمل ان کی شان کے موافق ہے۔ اگر بخشش ہوسکتی ہے تو صرف نظر عنایۃ سے ہوسکتی ہے۔

جس کے لیے سبب ادنیٰ بھی کافی ہوسکتا ہے۔ پھر اس سبب میں کیا مردوں ہی کا حصہ ہے عورتوں کا نہیں ہم لوگ حدیث پڑھتے ہیں جو لوگ پلاؤ قورمہ پر ناک مارتے ہیں وہ حدیث میں دیکھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جو کھانا پسند نہیں آیا اس کو چھوڑ دیا۔ نہ کھایا نہ کوئی بُرا لفظ اس کے متعلق فرمایا آج کل افراط وتفریط دونوں ہیں تو پلاؤ قورمہ پر ناک ماریں یا باوجود رغبت نہ ہونے کے کھائے چلے جاویں اور اس کو بڑی نفس کشی سمجھیں کہ طبیعت لیتی نہیں مگر زبردستی حلق سے اتارے چلے جاتے ہیں اسے نفس کی مخالفت نہیں کہتے بلکہ اس کا نام زہدِ خشک ہے شریعت میں اعتدال ہے۔

اعتدالِ طعام

سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں فرمائی کہ جی نہ چاہتا ہو تو خواہ مخواہ کھا ہی لو بلکہ تعلیم دی ہے کہ جی چاہے تو کھاؤ نہ چاہے تو چھوڑ دو مگر اس کو بُرا کہنے کی اجازت نہیں دی اعتدال وہی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کر کے دکھا دیا کھانا پسند آیا کھا لیا نہ پسند آیا چھوڑ دیا۔ حدیث میں ہے لم یَعِب طعاما(۱) یعنی کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا جیسا ہم کرتے ہیں کہ گھی کم ہے کچا ہے پکا ہے۔ یہ سارے نخرے اس لیے ہیں کہ خدا نے دے رکھا ہے۔ کھانے کی قدر بھوکے سے پوچھو اس کو یہ نہیں سوجھتا کہ روٹی تازی ہے یا باسی گھی کم یا زیادہ کھانا گرم ہے یا ٹھنڈا غرض کھانے کو کسی حال میں بُرا نہ کہنا چاہئے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ باورچی کیسا ہی خراب اور بے ترکیبی سے پکائے اس کو تنبیہ بھی نہ کی جائے، یہ بات نہیں پکانے والے کو سمجھا دینا چاہئے مگر کھانے سے ناک منہ چڑھایا جاوے کہ منہ میں رکھا اور ذرا نمک کم ہے تو تھوک دیا اٹھا کر برتن پھینک دیا بی بی یا خادمہ کے سر پر سالن لوٹ دیا۔ بعض لوگ برتن بہت توڑتے ہیں۔ ارے برتن نے کیا خطا کی تھی بلکہ ان سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ جرمانہ کس پر ہوا آپ نے جو اپنے گھر کا آٹھ آنہ کا پیالہ توڑا یہ تو آپ ہی کے اوپر جرمانہ ہوا جس سے لازم آیا کہ خطاوار تم ہی ہو غصہ میں یہ بھی نہیں سوجھا کہ خطاوار نوکر ہے یا تم خود ہو اور جرمانہ کس پر ہو رہا ہے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنا یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَہُمۡ بِاَیۡدِیۡہِمۡ (۲) کا مصداق بننا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک گروہ کفار کی حالت میں بیان فرمایا ہے کہ ان پر یہ عذاب الٰہی نازل ہوا کہ بھاگتے وقت اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے گھر میں رہنا تو کیا ملتا اسی طرح کھانا تو تم سے چھین ہی لیا گیا تھا کہ بھوکے رہے اور یہ جرمانہ ہوا کہ برتن بھی ٹوٹ گئے بُری بات ہے۔ کھانے میں عیب نکالنا تکبر کی بات ہے اور اتنا بڑا عیب نکالنا کہ اس کو گوہ موت کہنا۔ یہ سب ان کا مسخرہ پن تھا۔ اور اس کو تواضع میں ٹھونسنا تو

(۱) لم أجد الحدیث فی ”موسوعة اطراف الحدیث النبوی شریف (۲)“ اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرتے ہیں“ سورۃ الحشر: ۲

نری شرارت تھی اس کو تواضع نہیں کہتے یہ تو ایسا ہے جیسے تم کسی کے پاس جاؤ اور وہ پوچھے تم کون ہو تو جواب میں یوں کہو کہ گدھا ہوں اور اس کو تواضع سمجھو تو ہرگز کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرے گا اپنی نسبت کوئی تعظیم کا لفظ نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو کہ انسان سے گدھے بن جاؤ اس کا نام تواضع نہیں ہے۔ اس کا نام ناشکری اور بدتمیزی ہے۔ اسی طرح اپنی نماز کو بالکل رائیگاں اور بیکار سمجھ لینا یہ بھی تواضع نہیں ہے اعتدال کا درجہ یہ ہے کہ نماز کو اس حیثیت سے کہ اپنا فعل ہے ہیچ سمجھے مگر اس حیثیت سے کہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے یوں سمجھے کہ جس نماز کی توفیق ہم کو دی گئی ہے ہم اس کے بھی قابل نہ تھے یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے نالائقوں کو ایک دین کے کام کی توفیق دی۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل   نسیمِ صبح تیری مہربانی

تواضع و مایوسی

خلاصہ یہ ہے کہ ناز نہ کرے بلکہ شکر کرے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر اس سے اچھی عمل کی توفیق ہوگی اور جب تم اپنے عمل کو ناقص وحقیر جانتے ہو تو اس کی اصلاح کرو اور اصلاح میں کسی خاص درجہ پر اکتفا نہ کرو جو جو خرابیاں اس میں ہیں سب کی اصلاح کرو اور پوری طرح سنوار (۱) لو صحیح طریقہ یہ ہے نہ یہ کہ اس کو لاشئے (۲) محض سمجھو اس کی بیقدری کرو بلکہ ہر درجہ میں اس کو ایک لحاظ سے خدا کی نعمت سمجھو اور دوسرے لحاظ سے اس کو کسی قابل نہ سمجھو ہر وقت تکمیل اور اصلاح کی فکر میں لگے رہو اس سے نہ ناز ہوگا نہ ہمت ٹوٹے گی۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ زیادہ تواضع کرنے سے آدمی مایوس ہو جاتا ہے اور رحمت سے ناامیدی ہو جاتی ہے ہم نے ایسے مسلمان دیکھے ہیں جو گناہ میں مبتلا ہوئے پھر ان کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا لیکن بتلانے والوں نے ان کو امید نہیں دلائی بلکہ ڈرا ڈرا کر مایوس کر دیا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اور زیادہ گناہ میں مبتلا ہو گئے۔ میرٹھ میں ایک مسلمان سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی عیب

(۱) درست کرلو (۲) بالکل بیکار سمجھو

دنیا کا نہیں تھا جو ان میں نہ ہو بہت ہی بڑا ظالم اور بے رحم آدمی تھا جب ان سے یہ کہا جاتا کہ یہ کیا حالت ہے تو کہتے کہ میں دوزخی تو ہو ہی چکا پھر کیوں کسر رکھوں ایسی بہت نظیریں ہیں یہ خرابی ہے مایوسی کی جس سے بعض دفعہ ایمان کے جاتے رہنے کا ڈر ہو جاتا ہے اور ایمان نہ جاوے تو آدمی پریشان تو ضرور رہے گا اور بھی کچھ نہیں تو عمل میں تو کمی کرے ہی گا کمی بھی نہ کرے تو ناشکری تو ضرور کریگا چنانچہ بعض دفعہ ایسے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمیں کیا دیا حق تعالیٰ نے نہ نماز کی توفیق دی نہ روزہ کی اس ناشکری اور گستاخی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی طبیعت میں مایوسی جاگزیں ہوگئی ہے اسی لیے وہ کچھ بھی ہمت سے کام نہیں لیتے اور اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب تک بندہ میں طلب و ہمت نہ ہو اس وقت تک توفیق نہیں دیتے پس خدا کی شکایت کرنا کہ ہم کو نماز روزہ کی توفیق نہیں دی دراصل اپنی شکایت کرنا ہے ایک ضرر(۱) تو مایوسی کا یہ ہے دوسرے ضرر یہ ہے کہ جو لوگ نماز روزہ کرتے بھی ہیں وہ نہایت بددلی کے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ یہ خیال جم گیا ہے کہ ہماری نماز کیا ہے، روزہ کیا ہے، یہ سب بیکار باتیں ہیں اس لیے وہ صرف ایک رسم سی ادا کر لیتے ہیں۔ عورتوں پر یہ اثر زیادہ دیکھا جاتا ہے زیادہ عورتیں آپ کو اسی خیال کی ملیں گی جو یہ سمجھے بیٹھی ہیں کہ ہمیں دین حاصل ہو ہی نہیں سکتا نہ ہماری نماز کچھ ہے نہ روزہ کچھ ہے اور اگر آپ تجسس کریں گے تو اس کو حضرات واعظین ہی کی برکت کا نتیجہ پائیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ جب مستورات کے مجمع میں بیان کرتے ہیں تو صرف یہی حدیث پڑھتے ہیں کہ عورتیں زیادہ دوزخ میں جائیں گی۔ مستورات کو اول تو بیان سننے کے مواقع ہی کم ملتے ہیں اور جب ملتے ہیں تو یہی بات کان میں پڑتی ہے کہ تم دوزخی ہو دوزخ میں تم زیادہ ہوگی اس سے ان کے دل میں یہ خیال مستحکم ہو جاتا ہے کہ ہمارے اعمال بیکار ہیں اور چونکہ عورتوں میں بوجہ ضعف تاثر کا مادہ(۲) بہت ہوتا ہے اس لیے وہ واعظوں کی ہر قسم کی باتوں سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہیں۔

(۱) نقصان (۲) کمزوری کی بنا پر اثر قبول کرنے کا مادہ۔

فضول خرچی

اس تاثر کی ایک اور فرع یاد آ گئی وہ یہ کہ بعض چندہ وصول کرنے والے قصداً عورتوں کے مجمع میں بیان کرتے ہیں، تاکہ چندہ زیادہ وصول ہو چنانچہ ان پر واقعی بڑا اثر ہوتا ہے اور چندہ خوب ہو جاتا ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ چندہ دینے میں عورتوں کے دل کو کیا لگتی ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ خاوند کا مال ہے اور مال مفت دل بے رحم۔ دوسرے یہ کہ ان بیچاریوں میں عقل بھی کم ہوتی۔ موقع و محل کو نہیں سمجھتیں جوش میں جو کچھ ہاتھ میں آیا دے ڈالا اور ایک تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں ذرا کوئی قصہ رقت آمیز سنا دیا اور یہ پانی پانی ہو گئیں۔ ایک چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں سونے چاندی سے خالی نہیں ہوتیں سب کے پاس کچھ نہ کچھ زیور ضرور ہوتا ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ دے ہی دیتی ہیں اور مرد تو جیب میں روپیہ پیسہ لانا کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔ اور ایسے حضرات واعظین کو حدیث بھی ایک ہی یاد ہے۔ یَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْمِنْ حُلِیِّکُنَّ الخ(۱)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے عورتو! خیرات کرو اگرچہ اپنے زیور ہی میں سے ہو کیونکہ مجھ کو دکھلایا گیا ہے کہ زیادہ تر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ یہ حدیث اپنے موقع پر صحیح ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں میں بوجہ کثرت جہل کے کوتاہیاں بہت ہیں اس لیے وہ دوزخ میں زیادہ جائیں گی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ عورتیں اپنی نجات سے مایوس ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کا علاج کرنا چاہئے وہ یہ کہ ان کوتاہیوں کو دور کیا جائے اور اعمال صالحہ زیادہ کئے جاویں ان ہی اعمال صالحہ میں سے ایک خیرات بھی ہے یہ مطلب نہیں کہ بس خیرات ہی علاج ہے تمام کوتاہیوں کا مثلاً نماز نہ پڑھے اور خیرات کر دے یا حج نہ کرے اور خیرات کر دے یا روزہ باوجود قدرت کے نہ رکھے اور خیرات کر دے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کسی کے نزدیک بھی درست نہیں کاتب ۱۲) ان پیشہ ور واعظوں نے حدیث بھی اختیار کی تو وہ جس میں ان کا فائدہ ہو یعنی چندہ ملے۔

(۱) سنن الترمذی: ۶۳۵، مشکوۃ المصابیح: ۱۸۰۸، کنز العمال: ۴۵۰۷۷

مسئلہ ملکیت

حدیث مذکور میں یہ بات بھی تو قابل غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مِن حلیکن (۱) فرمایا ہے من حلی الزوج نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ خیرات کرنے کی ترغیب اپنے مملوک زیور میں ہے نہ کہ خاوند کے مملوک (۲) میں عرب کی عادت تھی کہ اثاث البیت (۳) میں سے ہر چیز شوہر اور بیوی کے درمیان بٹی ہوئی ہوتی تھی عورت کی الگ مرد کی الگ، جیسے آج کل یورپ میں ہے کہ صاحب کی چیزیں الگ ہوتی ہیں میم صاحب کی الگ۔ تو من حلیکن کے معنی یہی ہوں گے کہ اس زیور میں سے خیرات کرو جو تمہاری مِلک ہو نہ اس زیور میں جو تم پہنے ہوئے ہو اور خاوند کی مِلک ہو آج کل ہم لوگوں کی معاشرت اس قدر گندی ہوگئی ہے کہ کسی کے حق کی بھی پرواہ نہیں رہی اور جہالت کی یہ حد ہے کہ ہم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ صفائی معاملات اور تمایز حقوق کا طریقہ ہمارے یہاں کا تھا جواب یورپ میں ہے۔ معاملہ کی صفائی اسی کو مقتضی ہے کہ میاں بیوی کے املاک ممتاز ہوں۔ ہندوستان میں بھی یہی رواج ہوجاوے تو اچھا ہے مگر ہمارے یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھروں میں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ چیز کس کی ہے اور وہ چیز کس کی۔ اس کی چیز پر وہ قابض ہے اور اس کی چیز پر یہ۔ عورت کے پاس زیور ہوتا ہے تو اس میں امتیاز نہیں کہ کونسا باپ کے گھر کا ہے اور کونسا خاوند کے گھر کا پھر وہ عورت کی مِلک کردیا گیا ہے یا عاریت ہے اگر کوئی مرد اپنے گھر میں اس کی تنقیح (۴) کرنا چاہے کہ میری مِلک کونسی اور دوسرے کی کونسی تو اس پر بڑی انگشت (۵) نمائی ہوتی ہے اور سارے کنبہ میں بدنام کیا جاتا ہے کہ لو صاحب اپنی ذرا ذرا سی چیز فلاں شخص الگ کرتا

(۱) اپنا ملکیتی زیور (۲) گھر کا سامان (۳) حدیث میں روایت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو جائز نہیں ہے کہ کچھ دینا بلا اجازت خاوند کے اور بروایت ابوامامہ آیا ہے کہ نہ خرچ کرے عورت خاوند کے گھر میں سے کچھ بلا اذن خاوند کے عرض کیا گیا کہ کھانا بھی کسی کو نہ دے۔ فرمایا کھانا تو سب سے بہتر مال ہے ۱۲ کاتب از جمع الفوائد باب فضل الصدقہ (۴) اگر کوئی مرد اپنے گھر میں چیزوں کو الگ الگ کرے کہ یہ میری یہ بیوی کی (۵) انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں۔

ہے۔ اور اس قدر کنجوس ہے اس قدر بخیل ہے کہ اپنی چیز کو کسی کا ہاتھ لگنا گوارا نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ سخی وہ ہے جو بالکل بدانتظام مغفل اور مجہول ہو جس کو نہ اپنی مِلک کی خبر ہو نہ دوسرے کی پھر اس سخاوت کا لطف جب آتا ہے جب ان میں سے کوئی کھسک جاوے(۱) اور ترکہ تقسیم کیا جاوے۔ اس وقت ایک کہتا ہے یہ چیز مرنے والے نے مجھ کو دے دی تھی۔ ایک کہتا ہے یہ چیز میت کی نہیں تھی۔ میری تھی۔ ایک عورت کہتی ہے یہ سامان میرے باپ کے گھر کا ہے۔ دوسری کہتی ہے میرے باپ کے گھر کا ہے اب کوئی سبیل نہیں کہ اس جھگڑے کو کس طرح طے کیا جائے پھر وہ جُوتم پیزار(۲) ہوتی ہے کہ دیکھنے والے ہنستے ہیں اور جو کوئی خاندان بڑا مہذب ہوا تو وہاں یہ جُوتم پیزار تو نہیں ہوتی کیونکہ یہ باتیں تہذیب اور شرافت کے خلاف ہیں مگر دلوں میں رنجشیں اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں شکایتوں کی نوبت آتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر جیل خانہ بن جاتا ہے۔

دین ومعاشرت

یہ تو اس معاشرت میں دنیا کی خرابی ہے اور دین کی خرابی یہ ہے کہ دوسرے کی مِلک میں بلا اجازت تصرف کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے اور وہ چیز ضائع ہو جاوے تو ضامن ہوتا ہے قیامت کا معاملہ بہت نازک ہے تین پیسے جس کے ذمہ رہ جاویں گے اس کی سات سو مقبول نمازیں چھین کر صاحب حق کو دلوادی جاویں گی یہ کس قدر خوف کی بات ہے ساری عمر نماز پڑھی اور قیامت میں سب چھین لی گئیں۔ یہ نتیجہ ہے گول مول باتوں کا دنیا بھی برباد کیونکہ رنجشیں پیدا ہوتی ہیں جس سے سارے گھر کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور آخرت بھی برباد کہ کی عبادت اپنے پاس نہ رہی۔ ہمارے یہاں ایک شخص آئے کہ میری بی بی مرگئی ہے اس کا ترکہ موافق قواعد شریعت کے تقسیم کردو میں نے کہا کہ بی بی کی مملوک چیزوں کی فہرست بنا کر میرے پاس لاؤ اس سوال کے جواب میں ان کو اس قدر مصیبت ہوئی کہ پریشان ہو گئے کیونکہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کون چیز ان کی ملک تھی اور کون چیز بیوی کی۔ میں نے کہا اس مصیبت کے ساتھ یہ جرمانہ الگ ہے کہ جس چیز

(۱) مرجائے (۲) فریقین جوتوں سے لڑتے ہیں ایک دوسرے سے۔

میں شبہ رہے وہ سب بی بی کی ملک سمجھی جائے سب وارثوں کو جمع کرو سب اپنی اپنی چیزیں الگ کرلیں جس میں شک ہو وہ سب میت کی مِلک سمجھو اس میں میراث جاری ہوگی چنانچہ یہی کیا اور بڑی مشکل سے ترکہ تقسیم ہوسکا یہ بھی اُسی شخص کی دینداری تھی کہ مصیبت اٹھائی اور کام کرکے چھوڑا غرض جیتے جی تو سب کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سب سامان گڑ بڑ رہے اور کسی چیز میں کسی کا نام لگنا ناگوار معلوم ہوتا ہے مگر ایک کے مرنے کے بعد بڑی مصیبت پیش آتی ہے اس خرابی کی وجہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت گندی ہے اور بات گول مول رہتی ہے ہم کو ابتداء ہی میں لازم ہے کہ جب کوئی زیور یا کوئی چارپائی بنے یا کوئی چیز خریدی جائے تو اسی وقت زبان سے کہہ دیں کہ یہ سامان تمہارا ہے یا ہمارا ہے بس معاملہ صاف ہوجائے۔

مسئلہ تصریح

یہ تو اثاث البیت (۱) کے متعلق ہوا گھر کا خرچ دینے میں بھی یہی گڑ بڑ ہے میاں جو کچھ کماتے ہیں بی بی کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں بی بی سمجھتی ہے کہ یہ سب مجھے دیدیا یعنی میری مِلک کردیا اور جس طرح چاہتی ہیں کھاتی اُڑاتی ہیں اسی میں سے خیرات کرتی ہیں اسی میں سے اپنے میکہ والوں کو خوب دل کھول کر دیتی ہیں کیونکہ اطمینان ہے کہ میری ملک ہے بعض وقت جب میاں دیکھتے ہیں کہ اس بے دردی کے ساتھ میری کمائی اُڑائی جارہی ہے اور باز پرس کرتے ہیں تو بی بی صاحبہ کہتی ہیں کہ یہ رقم تم نے مجھے دیدی تھی لہٰذا مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں خرچ کروں میاں کہتے ہیں میں تجھے کیوں دیتا میں نے تو بطور امانت دیا تھا غرض خوب تکرار ہوتی ہے یہ خرابی اسی گول مول بات کی ہے۔ معاملہ صاف رکھو جو کچھ دو اس کے متعلق تصریح کردو کہ یہ کس مد میں دیا ہے میری رائے یہ ہے کہ بیوی کو جو کچھ گھر کے خرچ کے لیے بھی دو اس کے متعلق بھی تصریح کردو کہ یہ رقم امانت ہے گھر کے خرچ میں ہی صرف کرسکتی ہو لیکن بی بی کا یہ بھی حق

(۱) گھر کا سامان۔

ہے کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اس کی تعداد اپنی اور بیوی کے حیثیت کے موافق ہوسکتی ہے مثلاً روپیہ دو روپیہ دس بیس پچاس روپیہ جیسی گنجائش ہو یہ رقم خرچ سے علیحدہ دو لیکن صاف کہہ دو کہ وہ رقم تو صرف گھر کے خرچ کی ہے اور یہ رقم تمہارا جیب خرچ ہے یہ تمہاری مِلک ہے اس کو جہاں چاہو خرچ کرو جب تم جیب خرچ الگ دوگے تو تمہارا یہ کہنے کو منہ ہوگا کہ یہ رقم جو گھر کے خرچ کے لیے دی ہے امانت ہے کیونکہ آدمی کے پیچھے بہت سے خرچ ایسے بھی لگے ہوئے ہیں جو اپنی ذات خاص کے ساتھ ہیں، اگر بیوی کو کوئی رقم ذات خاص کے خرچ کے لیے نہ دی گئی کہ جس کو جیب خرچ کہتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہوگی اس صورت میں اس پر تشدد کرنا ایک گونہ ظلم اور بے حمیتی ہے یہ طریقہ ہے صحیح معاشرت کا اس میں جانبین کا دین محفوظ رہ سکتا ہے مگر ہم لوگوں کے رسم ورواج کچھ ایسے خراب ہوگئے ہیں کہ اگر اب ایسا کیا جاوے کہ گھر کی چیزوں کو الگ الگ میاں بیوی کے نامزد کیا جاوے تو ایک اچنبے کی بات معلوم ہوگی اور سب ناک بھوں چڑھانے لگیں گے تمام کنبہ اور برادری میں چرچا ہونے لگے گا۔ چنانچہ ہمارے یہاں ایک بی بی نے ایک کٹورا ہدیۃً دیا تو میں نے پوچھا یہ تم نے کس کو دیا ہے مجھے یا گھر کے لوگوں کو تو اب سوچنے لگیں کہ کیا جواب دوں کیونکہ وہ تم رسم ورواج کے موافق اس واسطے لائی تھیں کہ گھر میں کام آوے گا اس سے کیا بحث کہ کس کی مِلک ہوگا جب وہ پہلے سے نیت کر کے لائی ہی نہ تھیں تو میرے سوال کے جواب میں کیا کہتیں؟ آخر بہت سوچنے کے بعد یوں کہا اجی میں نے تو دونوں کو دیا ہے میں نے کہا خیر یہی معلوم ہوگیا کہ یہ کٹورا مشترک ہے اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے یہاں ایک چیز بھی گول مول نہیں مثلاً چار پائیاں گھر میں ہیں ان میں ایک چار پائی میری ہے ایک دوست نے ایک اچھی سی چار پائی دی تھی اس کو میں نے اپنے نام کرلیا ہے باقی چار پائیاں گھر کے لوگوں کی ہیں اسی طرح ہر چیز بٹی ہوئی ہے یوں برتنے میں سب کے آتی ہیں مگر یہ تو معلوم ہے کہ یہ مِلک کس کی ہے موت حیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اگر کوئی آدمی گھر میں سے کم ہوجائے تو صاف

معاملہ کی صورت میں گڑ بڑ تو نہ ہوگی کہ یہ چیز کس کی ہے اور یہ کس کی وہ کہے فلانے کی ہے وہ کہے فلانے کی ۔ سارے گھروں میں یہ انتظام ہونا چاہئے اور اس سے جو لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور بُرا مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسم عام نہیں ہے اگر ایک دو آدمی ایسا کرتے ہیں تو نئی سی بات معلوم ہوتی ہے اگر یہی رسم عام ہو جاوے تو نہ کوئی بُرا مانے گا نہ اس سے وحشت ہوگی اور اس کے فوائد دیکھ کر سب قائل ہو جاویں گے اور تحسین کرنے لگیں گے زیور میں بھی یہی چاہئے کہ جب بنوایا جاوے تو تصریح کر دی جاوے صاف کہہ دیا جاوے کہ بیوی تمہاری مِلک ہے اور اگر ان کی مِلک کرنا نہیں ہے تو صاف کہہ دیا جاوے کہ مِلک میری ہے اور تمہارے واسطے عاریت ہے صرف پہننے کی اجازت ہے اب جو ایسا نہیں کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیور کے متعلق جو حقوق شرعی ہیں ان میں یہی کوتاہی ہوتی ہے مثلاً زکوٰۃ کہ میاں بے فکر ہیں کہ میرے کام میں تھوڑا ہی آ رہا ہے میرے اوپر زکوٰۃ کیوں ہو اور بیوی بے فکر ہیں کہ میری ملک تھوڑا ہی ہے نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کوئی بھی نہیں دیتا، جب خاوند کھسک گئے تو اب بیوی صاحب کہتی ہیں کہ یہ میری مِلک ہے انہوں نے مجھے دیدیا تھا عجیب بات ہے کہ یہ زیور تمام عمر تو پہننے کے لیے تھا اس لیے زکوٰۃ شوہر کے ذمہ واجب کی جاتی تھی اور بعد مرنے کے مالک بننے کے لیے بیوی صاحب موجود ہیں غرض خرچ کے لیے تو خاوند مالک اور آمدنی کے لیے بیوی یہ خرابی کا ہے سے پیدا ہوئی۔ صرف اس وجہ سے کہ مِلک علیحدہ نہیں کی گئی اور اگر بنوانے کے بعد ہی تصریح کر دی جاتی کہ یہ کس کی مِلک ہے تو یہ کوتاہی نہ ہوتی اور زکوٰۃ دینے کے وقت یہ حیلہ بھی ذہن میں نہ آتا کہ ہر چیز میری تھوڑا ہی ہے بس معاملہ صاف ہونا چاہئے ۔ اگر زیور بیوی کی مِلک کر دیا گیا ہے تو زکوٰۃ اسی کے ذمہ ہوگی اور اگر عاریۃً دیا گیا ہے تو زکوٰۃ خاوند کے ذمہ ہوگی (یہ اور بات ہے کہ بیوی کی طرف سے بھی اس کی اجازت سے خاوند ادا کر دے زکوٰۃ اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے کاتب)

مسئلہ حق العبد

ایک خرابی اور لیجئے کہ زیور ہزاروں روپے کا بی بی صاحب کو دیتے جاتے ہیں مگر یہ تصریح نہیں کرتے کہ یہ زیور مہر میں محسوب (۱) ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو سب کچھ دیدیا مگر مہر کا ایک پیسہ بھی ادا نہیں ہوا، لاکھ روپے خرچ ہو گئے مگر قرض دار کے قرض دار ہی رہے جو حق العبد ہے اور حق العبد کا جو نتیجہ ہے وہ آپ سن چکے ہیں کہ تین پیسہ کے بدلہ سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی۔ پھر یہ کیا عقلمندی ہوئی کہ خرچ تو دیں مہر سے زیادہ مگر قرضہ بدستور ذمہ باقی رہا۔ ہاں جب دنیا میں مہر کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بیوی مرگئیں اور وارثوں نے مہر کا دعویٰ کیا یا طلاق کا اتفاق ہوا اور بیوی نے مہر کا دعویٰ کیا تو اب شوہر صاحب کہتے ہیں کہ یہ سب زیور میں نے مہر میں تو دیا تھا کوئی اس سے پوچھے کہ خدا کے بندے خدا تو نیت کو جانتا ہے بندوں کو نیت کی کیا خبر؟ تو نے کب کہا تھا کہ یہ زیور مہر میں ہے یوں تم کسی کو لاکھ روپے بخش دو۔ اگر اس کا ایک پیسہ آپ کے ذمہ قرض ہے تو وہ تمہارے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ قرض جب ادا ہوتا ہے جب یہ کہہ کر دو کہ یہ قرض کی رقم ہے تو اگر زیور مہر میں دینا ہے تو دیتے وقت تصریح کر دینا چاہئے کہ یہ مہر میں ہے اور اس کا حساب لکھو یا ذہن میں رکھو۔ غرض گول مول بات کیوں رکھتے ہو یہ حقوق کا معاملہ ہے ایک پیسہ بھی رہ جائے گا تو قرض ہی رہے گا غرض جو کام ہو باضابطہ ہو گول مول نہ ہو۔

فضائلِ نسواں

بیان یہ ہو رہا تھا کہ عرب میں یہی دستور تھا کہ میاں کے املاک علیحدہ بیوی کے املاک (۲) علیحدہ ہوتے تھے تو جب حدیث میں لفظ من حلیکن ہے تو اس کے معنی یہی ہونگے کہ اس زیور میں سے خیرات کرو جو تمہاری مِلک ہے نہ کہ اس میں سے جو خاوند کی مِلک ہے مگر پیشہ ور واعظ اس کا کچھ خیال نہیں کرتے وہ عورتوں کو ڈرانا ہی جانتے ہیں کہ

(۱) یہ زیور مہر میں حساب کر کے لے لو (۲) میاں کی ملک الگ بیوی کی الگ۔

تم دوزخی ہو خیرات کرو اور جو کچھ ہے سب دے ڈالو خواہ کسی کا ہو تمہاری مِلک ہو یا خاوند کی ایسی گڑ بڑ جیسی ہندوستان میں ہے کہیں بھی نہیں ہے عرب میں مہر کے متعلق اب تک یہ رسم ہے کہ عورتیں مردوں کی چھاتی پر چڑھ کر مہر وصول کرتی ہیں اور ہندوستان میں اس کو بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کی عورتیں مہر کو زبان پر بھی نہیں لاتیں اور خاوند کے مرتے وقت اکثر بخش ہی دیتی ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ ہندوستان کی عورتیں حُوریں ہیں حسن وجمال میں نہیں بلکہ اخلاق میں یہاں کی عورتیں حُورٌ مَّقۡصُورٰتٌ فِی الۡخِیَامِ (۱) کی مصداق ہیں ایک بڑی صفت عفت کی تو ان میں ایسی ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے ان پر یہ آیت صادق آتی ہے فِیۡهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ لَمۡ یَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ (۲)۔ گھروں میں بیٹھنے والیاں تو ہیں ہی یہاں کی باہر پھرنے والیاں بھی اکثر پاک صاف ہیں جب گھر سے نکلتی ہیں تو نگاہیں نیچی کئے ہوئے گھونگھٹ نکالے ہوئے راستہ میں کسی کو سلام تک نہیں کرتیں سلام کرنا فی نفسہ ہنر سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی مگر عورتیں غایت حیاء سے آپس میں بھی سلام نہیں کرتیں ان کو مردوں سے تو شرم ہے ہی غیر عورتوں سے اور بڑی عمر والی عورتوں سے بھی شرم آتی ہے غالباً اس شرم ہی کی وجہ سے زبانی سلام متروک ہوا گو ایسی شرم قابلِ ترک ہے جس سے سنت متروک ہوجاوے۔ عورتیں مردوں کو گو سلام نہ کریں مگر آپس میں تو سلام کرلیا کریں اور مردوں میں بھی جو محرم ہوں ان کو سلام کرلیا کریں۔ تو مطلقاً سلام ترک کرنا خوبی کی بات نہیں مگر منشاء اس کا وہی فرطِ حیا تھی اس خیال کی ایک فرع یہ ہے کہ اگر کوئی مرد ان سے کوئی بات پوچھے تو اکثر جواب نہیں دیتیں یا دیتی ہیں تو صرف اشارہ سے حتّٰی کہ باہر پھرنے والیوں کی عفت کا بھی یہی حال ہے کہ اپنے مرد کے سوا دوسری طرف کبھی تمام عمر بھی ان کا خیال نہ گیا ہوگا۔ یوں سو پچاس میں کوئی ایک بد ذات ہوجاوے تو قابل شمار نہیں اور اگر عورتوں کو کسی میں یہ عیب معلوم ہوجاوے تو اس کو برادری سے خارج کردیتی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ مرد فیصدی ایک نکلے گا جو نظر یا خیال سے محفوظ ہو اور عورتوں میں

(۱) سورۂ رحمٰن ۷۲ (۲) سورۂ رحمٰن: ۵۶

فیصدی شاید ایک نکلے جو ناپاک ہو۔ غرض عورتوں میں خصوص ہندوستان کی عورتوں میں عیب ہی عیب نہیں بہت سے فضائل بھی ہیں۔ مردوں کی جاں نثار اس قدر ہیں کہ خاوند سے لڑیں گی روئیں گی جھیکیں گی مگر کب تک جب تک بےفکری اور فرصت ہو اور جہاں خاوند کا ذرا کان گرم ہوا اسی وقت لڑائی جھگڑا سب بھول گئیں اب یہ حالت ہے کہ نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پہننے کا ہوش ہے رات رات بھر کھڑے گزر گئی۔ کسی وقت پنکھا ہاتھ سے نہ گرتا کوئی دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ہیں جو ایک وقت میں لڑ رہی تھیں۔ بس اس وقت اپنے آپ کو فنا کر دیتی ہیں۔ اسی طرح ہیں عورتوں میں ایثار اس قدر ہے کہ روزمرہ کھانا اس وقت کھاتی ہیں جب مردوں کو پہلے کھلا لیتی ہیں اور اچھے سے اچھا کھانا اوپر کا تار مردوں کے لیے نکالتی ہیں نیچے کا تلچھٹ اور بچا کھچا اپنے واسطے اگر کسی وقت کوئی مہمان بے وقت آ گیا تو خاوند کی بات کو عزت کا ہرگز نیچا نہ کریں گی بلکہ جو کچھ گھر میں ہے فوراً مہمان کو کھلا دیں گی۔ خود فاقہ کر دیں گی۔ یہ اخلاق ایسے پاکیزہ ہیں کہ ان سے بڑے بڑے درجے حاصل ہو سکتے ہیں اکثر مردوں کو یہ اخلاق حاصل ہی نہیں۔

زبان نسواں

البتہ ہماری عورتوں میں ایک تھوڑی سی کسر ہے اگر وہ مٹ جائے تو یہ سچ مچ کی حوریں بن جائیں گی۔ وہ کسر کیا ہے؟ کہ ان کی زبان نہایت خراب ہے ان کی زبان وہ اثر رکھتی ہے جیسے بچھو کا ڈنک کہ ایک ذرا سی حرکت میں آدمی بلبلا جاتا ہے۔

اکبر نہ دَب سکے کبھی برٹش کی فوج سے　　لیکن شہید ہو گئے بیوی کی نوج سے ۱۲

ایک بزرگ نے اس کا خوب علاج کیا تھا۔ ان سے ایک عورت نے شکایت کی کہ خاوند سے روز لڑائی رہتی ہے کوئی تعویذ ایسا دیجئے کہ لڑائی نہ ہو، انہوں نے کہا کہ ایک بوتل میں پانی لے آؤ میں پڑھ دوں گا۔ اس سے لڑائی نہ ہوگی۔ وہ بوتل میں پانی لائی انہوں نے اس پر کچھ جھوٹ موٹ پڑھ دیا اور فرمایا کہ جب خاوند گھر میں آیا کرے تو اس پانی کا ایک گھونٹ منہ میں لے کر بیٹھ جایا کر، پھر لڑائی نہ ہوگی۔ اس نے ایسا ہی

کیا واقعی لڑائی ختم ہوگئی، پانی کا دم کرنا تو برائے نام تھا۔ اصل تدبیر یہ تھی کہ جب پانی منہ میں لے کر بیٹھ جائے گی تو زبان قینچی کی طرح نہ چلے گی اور لڑائی ہوتی تھی اس کی بدزبانی سے اس لیے ان بزرگ نے اس کے بند کرنے کی یہ حکیمانہ تدبیر کی اب بھی عورتیں اگر کسی طرح زبان بند کرلیں تو واقعی کبھی لڑائی نہ ہو۔ لوگ آج کل اس کے لیے تعویذ وغیرہ مانگتے پھرتے ہیں سب واہیات ہیں ہاں یہ عمل اگر کوئی کرادے جو ان بزرگ نے کیا تھا، تو اس کو تو میں بھی کردوں گا کہ بوتل میں پانی لاوے میں جھوٹ موٹ پڑھ دوں گا اور جب میاں بیوی کی لڑائی شروع ہو بیوی ایک گھونٹ پانی کا منہ میں لے کر بیٹھ جائے اور ان بزرگ کی تو چھُو میں بھی کچھ اثر ہوگا۔ یہاں چھُو میں تو کچھ اثر ہے نہیں مگر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ لڑائی بند ہوجائے گی۔ خدا جانتا ہے بے مثل علاج ہے یہ تو حکمت عملی تھی اصل بات یہی ہے کہ عورتوں کی بدزبانی جڑ ہے بگاڑ کی۔ یہ عیب عورتوں میں سے نکل جاوے تو یہ سچ مچ کی حوریں بن جاویں اور عورتوں کے یہ فضائل جو میں نے بیان کئے ہندوستان میں بھی یہ زیادہ تر ہمارے نواح کے ساتھ خاص ہیں بڑے شہروں میں عورتوں میں یہ فضائل کم پائے جاتے ہیں۔ بھوپال میں سنا ہے کہ آئے دن عورتیں قاضی کے یہاں کھڑی رہتی ہیں ذرا ان کے کسی آرام میں کمی ہوئی اور عدالت میں پہنچیں، یہاں کی طرح نہیں کہ عورتیں عدالت کے نام سے بھی کانپتی ہیں۔ چاہے مرجائیں مگر عدالت میں نہیں جاسکتیں یوں آپس میں عزیزوں میں ہزار باتیں ہزار شکائتیں کرلیں گی۔ یہ تو ان کا مشغلہ ہی ہے مگر جب کچہری کا نام آوے گا تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیں گی کہ خدا نہ کرے جو حاکم کے یہاں ہم جاویں یہ میں نہیں کہتا کہ ہمارے اطراف میں کوئی عورت بھی ایسی نہیں جو عدالت میں جاتی ہو۔ ہزاروں میں ایک دو ایسی بھی نکلیں گی مگر غالب حالت عورتوں کی اس نواح میں یہی ہے کہ عدالت میں جانے سے گھبراتی ہیں۔

بیوی کی رعایت

یہاں ایک بزرگ حافظ صاحب تھے ان کے صاحبزادے بیوی کی رعایت بہت کرتے تھے اور واقعی بیوی کی یہ رعایت کرنا بھی چاہیے خواہ وہ پھوہڑ ہو یا بدتمیز ہو کیونکہ اس نے تمہارے واسطے اپنی ماں کو چھوڑا، باپ کو چھوڑا، سارے کنبہ کو چھوڑا اب اس کی نظر صرف تمہارے ہی اوپر ہے جو کچھ ہے اس کے لیے ایک شوہر کا دم ہے بس انسانیت کی بات یہی ہے کہ ایسے وفادار کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور جو کچھ ان سے بے تمیزی یا بے ادبی ہوجائے اس کو ناز سمجھا جائے کیونکہ ان کو عقل کم ہے تمیز نہیں ہے ان کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں اس لیے گفتگو کا پیرایہ ایسا ہوجاتا ہے جس سے مردوں کو تکلیف پہنچتی ہے مگر اس بدتمیزی کی حقیقت ناز ہے آخر وہ تمہارے سوا اور کس پر ناز کرنے جائیں۔ دنیا میں ایک تمہیں ان کے خریدار ہو۔

ناز براں کن کہ خریدار تست(۱)

صاحبو! سوچنے کی بات ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے محکوم ہیں وہ ہماری کیا کیا رعایتیں کرتے ہیں وہ کون سی بدتمیزی ہے جو بندے خدا تعالیٰ کے ساتھ نہیں کرتے۔ مگر دیکھئے اس کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ کیسا ہے۔ کہ رزق برابر دیتے ہیں کوئی عذاب نازل نہیں فرماتے اور وجہ یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب میرے محکوم ہیں میرے سوا ان کا کون ہوسکتا ہے اور جو کچھ بدتمیزیاں کرتے ہیں اپنی حماقت سے کرتے ہیں اس واسطے بندوں کی ہر طرح رعایت فرماتے ہیں یہی معاملہ ہم کو اپنے محکومین کے ساتھ کرنا چاہئے۔ چنانچہ جن بزرگ کے صاحبزادہ کا ذکر کررہا ہوں وہ اپنی بیوی کی بہت رعایت کرتے تھے۔ حالانکہ وہ فضول خرچ تھی لیکن یہ اس کو نباہتے تھے اور انہوں نے اپنی اس فضول خرچ بیوی کا نام باولی رکھا تھا جب اس کی کوئی بات کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی ایسی ہے اور میری باولی ویسی ہے وہ اللہ

(۱)"اس پر ناز کرو کہ تمہارے خریدار ہیں"

والے تھے ان کی نظر عیبوں پر نہ پڑتی تھی بلکہ ایک خوبی پر پڑتی تھی جس کے سامنے سب عیوب مٹ جاتے تھے وہ ایک بہت بڑی صفت تھی خدا کے فضل سے ہمارے یہاں کی شریف بیبیوں میں سب ہی میں وہ صفت موجود ہے جو بہت ہی زیادہ قابل قدر ہے اور جب کبھی کوئی اس بی بی کی مذمت کرتا تو وہ اسی خوبی کا ذکر فرما کر جواب دیتے وہ یہ کہ اگر خاوند بے توجہی سے یا اور کسی وجہ سے لڑ بھڑ کر یا ناداری کی وجہ سے یا قید ہو کر گھر سے چلا جائے اور پچاس برس تک باہر رہے اپنی خبر تک بھی نہ دے کہ مر گیا ہوں، یا زندہ ہوں اور بیوی کی کوئی معاش بھی نہ ہو اس پر بھی وہ جس وقت آئے گا بیوی کو اسی کونے میں بیٹھا دیکھ لے گا جس میں چھوڑ گیا تھا آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ نامراد مر رہی ہے سڑ رہی ہے مُردوں سے بدتر حالت ہے مگر یہ نہیں ہوا ہوگا کہ امانت میں خیانت کی ہو یا کسی اور پر نگاہ ڈالی ہو یہ صفت ایسی ہے کہ اس کے واسطے سب ناز گوارہ کئے جا سکتے ہیں اس صفت کے سامنے کسی عیب پر بھی نظر نہیں پڑنا چاہئے۔

حقیقت اہل اللہ

اللہ والوں نے جو اپنی بیبیوں کی بہت رعایتیں کی ہیں جن کو سن سن کر تعجب ہوتا ہے ان کا منشاء ایسے ہی صفات تو ہیں وہ زن مرید نہ تھے بلکہ قدر شناس تھے انہوں نے اچھی اچھی نیتوں سے تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ایک بزرگ تھے جن کی بیوی ان کو بہت ستاتی تھی یہاں تک کہ لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ بیوی ان کو بہت دق کرتی ہے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ایسی بیوی کو طلاق دیدینا چاہئے۔ فرمایا کہ طلاق تو میرے اختیار میں ہے مگر یہ تو سوچو کہ اگر اس نے کسی اور سے نکاح نہ کیا تب تو یہ تکلیف اٹھائے گی اور اگر کسی اور سے نکاح کیا تو اس مسلمان کو تکلیف پہنچے گی اس سے اچھا یہ ہے کہ میں ہی تکلیف اٹھالوں اور مسلمانوں کا وقایہ بن جاؤں (۱) کہ جب تک میں موجود ہوں کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف کیوں پہنچے غرض عورتوں میں بدزبانی کا تو بڑا عیب ہے مگر

(۱) مسلمانوں کو تکلیف سے بچانے کا ذریعہ بن جاؤں گا۔

اس کے ساتھ ہی یہ صفت بھی ہے کہ ان کم بدبختی ماریوں کے دل میں خاوند کی محبت بے حد ہوتی ہے جو موقع پر ظاہر ہوتی ہے چنانچہ لکھنو کا ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت ہی بدزبان تھی انہوں نے اس کی اصلاح کی بہت تدبیریں کیں کچھ نفع نہ ہوا۔ ایک دن انہوں نے کہا کم بخت تو بہت ہی بدقسمت ہے کتنی کتنی دور سے میرے یہاں لوگ آتے ہیں اور ان کو نفع ہوتا ہے تو میرے یہاں کتنی مدت سے ہے مگر تجھے کچھ نفع نہیں ہوتا بولی میں بدقسمت کیوں ہوتی میں تو بڑی خوش قسمت ہوں کہ ایسے بزرگ ولی اللہ کے پلے سے بندھی ہوں میری برابر کوئی ہو تو لے بدقسمت تم ہو کہ تمہیں مجھ جیسی بُری عورت ملی اللہ کی بندی یہاں بھی زبان درازی سے نہ چوکی خاوند کو بدقسمت بنا کر چھوڑا مگر اس بدتمیزی میں بھی اعتقاد ٹپکتا ہے کہ ان کو بزرگ اور ولی اللہ کہتی جاتی ہے اس کا منشاء وہی محبت ہے میں تجربہ سے بقسم کہتا ہوں کہ یہاں کی عورتوں کے رگ رگ میں خاوند کی محبت گھسی ہوتی ہے مگر ان میں تھوڑا سا پھوہڑ پنا ہے کہ زبان کو قابو نہیں رکھ سکتیں اور اس میں قصور اللہ رحم کرے ماں باپ کا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام واہتمام بالکل نہیں کرتے۔

تعلیمِ نسواں

اور تعلیم سے میری مراد ایم اے، بی اے نہیں ہے۔ یہ ایم اے بن کر کیا کریں گی یہ تو میمیں ہیں اور بی اے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بی تو خود ہیں اے بڑھانے کی کیا ضرورت ہے آج کل یہ بھی ایک رواج چلا ہے کہ عورتوں کو بھی ایم اے۔ بی اے بناتے ہیں۔ کیا ان کو نوکری کرنا ہے جو اتنی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی جائیں۔ انگریزی نے مردوں ہی کو کیا فلاح دی ہے جو عورتوں کو دے گی۔ آج کل نوجوانوں میں عورتوں کی تعلیم کے متعلق رواج بھی نکلا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کانپور میں اپنی بیوی کو جغرافیہ پڑھاتے تھے میں نے ایک وعظ میں کہا عورتوں کو جغرافیہ کی کیا ضرورت ہے کہنے لگے اور اگر یہ ضرورت بتلائی جاوے کہ ان میں روشن دماغی پیدا

ہوگی۔ میں جواب میں عرض کرتا ہوں کہ جی ہاں بجا ہے اور یہی مصلحت ہے کہ اگر بھاگنے کا ارادہ کریں تو کوئی دِقّت بھی نہ ہو کیونکہ جغرافیہ سے ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ ادھر جنکشن غازی آباد میں ہے ادھر لکھنؤ میں ہے۔ اس طرح جہاں چاہیں پہنچ سکتی ہیں۔ اس شخص پر اس بات کا اس قدر اثر ہوا کہ وعظ کے بعد ملے اور اسی وقت توبہ کی کہ اب لڑکیوں کو جغرافیہ نہیں پڑھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کو مذہبی تعلیم دیجئے، فقہ پڑھائیے تصوف پڑھائیے۔ قرآن کا ترجمہ تفسیر پڑھائیے۔ جس سے ان کی ظاہری و باطنی اصلاح ہو یہ کیا واہیات ہے کہ جغرافیہ پڑھا رہے ہیں۔ اصل میں جغرافیہ کی ضرورت بادشاہوں کو ہے کہ ان کو کہیں چڑھائی کرنا ہو تو سہولت ہو یا تاجروں کو مال منگانے بھیجنے میں آسانی ہو عام لوگوں کو اس سے کیا فائدہ؟ خصوصاً عورتوں کو اور اگر جغرافیہ محض اس لیے حاصل کیا جاتا ہے کہ علم شئی بہتر از جہل شئی (۱) تو میں کہوں گا کہ دنیا میں سینکڑوں علوم وفنون ہیں آخر کس کس کو حاصل کیا جاوے گا سب کا حاصل کرنا تو محال ہے لامحالہ ترجیح پر عمل کیا جاوے گا اور کسی علم کو دوسرے پر ترجیح محض ضرورت کی وجہ سے ہوسکتی ہے یعنی جو فن جس کے لیے کارآمد اور ضروری ہو اس کو حاصل کرنا چاہئے کیونکہ غیر ضروری کے پیچھے پڑنے سے آدمی ضروری سے رہ جاتا ہے اور اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے مگر آج کل یہ خبط عام ہو رہا ہے کہ ضروری اور غیر ضروری سے بحث نہیں کرتے بس جو فن سامنے آ گیا اسی کے پیچھے پڑ گئے۔ غرض سلاطین کو چاہئے کہ وہ جغرافیہ پڑھیں اصل ضرورت تو ان کو ہے مگر خیر ہندوستان میں مرد بھی اس واسطے پڑھ سکتے ہیں کہ نوکری کی مصیبت ان کے سر ہے جو بدوں ڈگری حاصل کئے نہیں مل سکتی اور ڈگری بدوں جغرافیہ کے نہ ملے گی۔ مگر عورتیں کیا نوکری کرنے جائیں گی۔ ان کو جغرافیہ کی کیا ضرورت ہے ان کو صرف مذہبی تعلیم دینا چاہئے تاکہ اخلاق درست ہوں اور تہذیب وآداب اور سلیقہ پیدا ہو۔ مگر اس وقت عورتوں میں یہ تعلیم بھی نہیں اسی وجہ سے ساری خرابیاں ہیں اور اگر کسی کو تعلیم نسواں پر توجہ ہوئی بھی تو اس نے تعلیم سے مراد انگریزی تعلیم لے لی۔

(۱) کسی چیز سے واقف ہونا اس سے ناواقف ہونے سے بہتر ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

یہ تعلیم جو جہل سے بھی بدتر ہے جہل میں اتنی خرابیاں نہیں جتنی اس تعلیم میں ہے۔

ہر علم مفید نہیں

حضرت ہم نے پرانی تعلیم یافتہ عورتیں بھی دیکھی ہیں کہ سبحان اللہ نہایت مہذب بڑی باحیا بہت ہی شائستہ اور سلیقہ شعار ہوتی تھیں۔ اور نئی تعلیم یافتہ عورتوں کو بھی دیکھا ہے یعنی ان کے مضامین اخبارات ورسائل میں نظر سے گزرے ہیں خدا کی پناہ یہ اس قدر بے شرم اور آزاد اور بدسلیقہ و بیباک ہوتی ہیں کہ مضمون دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی پردہ نشین حیادار عورت کا لکھا ہوا ہے۔ یاد رکھو! ہر علم مفید نہیں بلکہ بعضے علوم مضر بھی ہوتے ہیں خواہ ان علوم ہی کی خاصیت ایسی ہو یا سیکھنے والے کے لحاظ سے مضر ہوں اس کی نسبت مولاناؒ فرماتے ہیں۔

بد گہر را علم و فن اموختن　　دادن تیغ است دست راہزن[(۱)]

دیکھئے تلوار مفید اور ضروری چیز ہے مگر نہ ہر شخص کے لیے بلکہ صرف اس شخص کے لیے جس میں قوت ہو اور اس کا چلانا جانتا ہو ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے ہی ہاتھ پیر کاٹ لے گا۔ اگر کوئی یہ سمجھ کر تلوار مفید چیز ہے ذرا سے بچے کے سامنے رکھ دے تو عجب نہیں کہ اس کا گلا ہی کٹ جائے۔ اسی طرح یہ قاعدہ کلیہ صحیح نہیں کہ ہر علم مفید ہے۔ نہ ہر علم مفید ہے اور نہ ہر شخص میں ہر علم کے حاصل کرنے کا حوصلہ ہے جامعیت علوم مردوں کا[(۲)] حوصلہ ہے عورتوں کو ان کی ریس[(۳)] کرنا حوصلہ سے باہر بات کرنا ہے اس جامعیت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو صفات عورتوں میں ہونی چاہئیں وہ بھی باقی نہیں رہیں گی۔ چنانچہ رات دن اس کا تجربہ ہوتا جاتا ہے مجھ سے ریل میں ایک جنٹ صاحب نے اپنے تجربہ کی بناء پر کہا تھا کہ میں نے یہ تجویز پاس کی ہے کہ عورتوں کو جامع معقولات ومنقولات[(۴)] نہیں بنانا چاہیے معقولات[(۵)] تو صرف مردوں ہی کو پڑھانا چاہیے۔

---

(۱) ''بے تمیز کو علم وفن سکھانا راہزن کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے'' (۲) مختلف علوم کا جامع ہونا یہ مردوں کی خصوصیت ہے (۳) نقل کرنا (۴) علوم عقلیہ سائنس وغیرہ علوم نقلیہ قرآن وحدیث دونوں کا جامع نہیں بنانا چاہیے (۵) عقلی علوم۔

عورتوں کو کو صرف منقولات (۱) پڑھانے چاہئیں دیکھئے تعلیم جدید کی خرابیاں اب ان لوگوں کو بھی محسوس ہو چلی ہیں جو اس کے حامی بلکہ موجد تھے وہ جنٹ صاحب کہتے تھے کہ تاریخ اور جغرافیہ سے عورتوں کو کچھ نفع نہیں۔ آج کل کے نوجوانوں پر علماء کا قول تو حجت نہیں۔ مگر ایسے لوگوں کا قول ضرور حجت ہے جو ان ہی کے ہم خیال تھے اور تجربہ کے بعد دوسری رائے قائم کرنے پر مجبور ہوئے اور درحقیقت بات یہی ہے کہ مرد تو تمام علوم کے جامع ہو سکتے ہیں عورتیں نہیں ہوسکتیں جامعیت کے لیے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے جو عورتوں میں نہیں ہے مگر آج کل سب کو عقل کا ہیضہ ہو رہا ہے آزادی کا زمانہ ہے ہر ایک خود مختار ہے۔

نامناسب تصنیف

چنانچہ عورتیں بھی کسی بات میں مردوں سے پیچھے رہنا نہیں چاہتیں ہر علم وفن کی تکمیل کرنا چاہتی ہیں تصنیفیں کرتی ہیں اخبارات میں مضامین بھیجتی ہیں۔ چنانچہ ان ہی دنوں ایک کتاب میرے پاس بھی رائے لینے کے لیے آئی تھی۔ اس میں اس قسم کے مضامین تھے کہ اول تو مسلمانوں کی شکایت تھی کہ یہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرتے نہ دین کی نہ دنیا کی (دین کا نام تو برائے نام لیا جاتا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی ترقی نہیں کرتے) قوم کی قوم پستی میں جا پڑی ہے۔ مسلم جماعت دوسری قوموں کی نظر میں سخت حقیر ہو رہی ہے اور حقیر بن کر رہنا اسلامی حمیت کے خلاف ہے اس کے بعد اس کتاب میں لکھا ہے کہ آج کل کے مسلمان ہاتھ پیر تو بالکل نہیں ہلاتے نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں نہ کماتے ہیں جب ان سے کسی کام کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ بلا تقدیر کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ اور جب پریشان ہوتے ہیں تو وظیفے پڑھتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں۔ پھر اس دعا کے مضمون کے بعد لکھا ہے کہ اللہ میاں کہتے ہیں کہ بھائی مجھے اور بھی کچھ کام ہے یا تمہاری ہی سنتا رہوں تم تو ہر وقت دعا ہی مانگتے رہتے ہو میں نے جو تم کو ہاتھ پاؤں دیدیئے ہیں ان کو ہلاؤ انہی سے اپنا کام نکالو مجھے کیوں ستائے جاتے ہو نعوذ باللہ! گویا یہ بی بی اللہ

(۱) نقلی علوم۔

میاں کے یہاں کی پیشکار[۱] ہیں کہ اللہ میاں نے ان سے ہی یہ خاص خاص باتیں کہہ دی ہیں پھر ان کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچائی جاتی ہیں۔ کیا کوئی مسلمان ایسی کتاب میں موافقت رائے کرسکتا ہے اور آج کل یہ بھی پیسے کمانے کی ایک آسان ترکیب ہے کہ علماء کے پاس ایسی کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ اور ظاہر میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ان میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کردی جائے اصلاح تو جیسی مقصود ہوتی ہے معلوم ہے۔ اصلی غرض یہ ہے کہ ان پر تقریظ لکھ دی جائے تاکہ زیادہ اشاعت ہوسکے۔ چنانچہ بعض بااخلاق علماء تقریظ لکھ بھی دیتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ اس سے ان کو اس سے بیہودہ تعلیم کی اور تائید مل جاتی ہے مجھ سے کوئی پوچھے تو ان کتابوں کی اصلاح یہ ہے کہ سب کو جمع کرکے ایک دم جلا دیا جائے کیونکہ ہر چیز میں اعتبار غالب کا ہوا کرتا ہے اور ایسی کتابوں میں غالب شر ہی ہے اور شر کا علاج یہی ہے کہ سب کو جلادو۔

خواتین واخبار

ایک اور آفت نازل ہوئی ہے کہ تعلیم یافتہ عورتیں اخباروں میں مضامین دیتی ہیں اور ان میں اپنا نام اور میاں کا نام اور پورا پتہ حتیٰ کہ محلّہ کا نام اور گلی اور مکان نمبر بھی ہوتا ہے یہ شاید اس واسطے کہ لوگوں کو ان سے خط وکتابت میں میل ملاقات میں دقت نہ ہو نہ معلوم ان کی غیرت کہاں اڑگئی۔ ان بیبیوں نے تو حیاء کو بالکل ہی بالائے طاق رکھدیا اور خدا جانے ان کے مردوں کی غیرت کہاں گئی۔ انہوں نے اس کو کیونکر گوارا کیا یوں کہئے کہ بس طبیعتیں ہی مسخ[۲] ہوگئی ہیں۔ میرے پاس ایک ماہواری پرچہ آیا تھا جس میں ایک بی بی کی اپنے پیر کی شان میں غزل تھی جس میں پیر کو اس طرح خطاب تھا جس طرح عاشق ومعشوق میں ہوا کرتا ہے۔ تمنائے وصال کا اظہار خط وخال کی تعریف اس کو پڑھ پڑھ کر غیرت آتی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ آج سے یہ رسالہ میرے پاس ہرگز نہ آوے مجھے اس قدر جوش غیرت ہوتا تھا کہ پھاڑ کر پھینک دوں تعجب کی بات ہے کہ پڑھنے والے کو غیرت آوے اور جس کے گھر کا قصہ ہے اس کو غیرت نہ آوے ایک اور لڑکی کی

(۱) معاون ومددگار (۲) بگڑگئی ہیں۔

تصنیف کردہ کتاب میرے پاس آئی جس کو میں نے پڑھا تو وہ بہت نافع معلوم ہوئی۔ اس میں کوئی نقصان کی بات نہ تھی مگر اخیر میں مصنفہ کا پورا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلانی فلاں محلّہ کی رہنے والی۔ میں حیران ہوا کہ اگر تصدیق کرتا ہوں تو پورا پتہ لکھنے کے واسطے بھی سند ہوجائے گی کیونکہ نام اور پتہ وغیرہ سب لکھا ہوا ہے اور تصدیق نہ کرتا ہوں تو سوال ہوسکتا ہے کہ اس میں کونسی بات مضر تھی جو تصدیق نہ کی اسی تردد میں تھا کہ ایک ترکیب سمجھ میں آگئی وہ یہ کہ میں نے مصنفہ کا نام کاٹ دیا اور بجائے اس کے لکھ دیا راقمہ اللہ(۱) کی ایک بندی اور تقریظ میں لکھ دیا کہ یہ کتاب نہایت عمدہ ہے اور سب سے زیادہ خوبی اس میں یہ ہے کہ یہ ایک ایسی بی بی کی تصنیف کردہ ہے جو بڑی حیادار ہیں کہ انہوں نے اپنا نام بھی اس پر نہیں لکھا یہ ترکیب نہایت اچھی رہی اس واسطے کہ اگر وہ میری تصدیق اپنی کتاب پر چھاپیں گی تو اپنا نام نہیں لکھ سکتیں اور اگر اپنا نام لکھیں گی تو میری تصدیق نہیں چھاپ سکتیں۔ چلو میرا پیچھا چھوٹا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو اپنی تصنیف پر اپنا نام لکھنے سے کیا مقصود ہوتا ہے؟ اگر ایک مفید مضمون دوسری عورتوں کے کان تک پہنچانا ہے تو اس کے لیے نام کی کیا ضرورت ہے مضمون تو بغیر نام کے بھی پہنچ سکتا ہے پھر نام کیوں لکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سوا اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ دوسروں سے تعلقات پیدا کرنے ہیں۔ سو بیبیو! یاد رکھو کہ تم کو تو تعلق ایک ہی شخص سے رکھنا ہے یعنی شوہر سے تمہارا ساتھ تو تمام عمر کے لیے اسی کے ساتھ ہے۔ اول تو مردوں کے واسطے بھی میں کہتا ہوں کہ کتاب پر نام لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصود خدمت خلق ہے خدمت نام سے نہیں ہوتی تو نام لکھنے میں سوائے شہرت اور نفس پرستی کے کیا ہے مگر خیر مردوں کے لیے چنداں حرج بھی نہیں بلکہ اس میں ایک یہ مصلحت بھی ہوسکتی ہے کہ مصنف کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے سے کتاب کا درجہ اور اس کی روایات کا درجہ بھی متعین ہوجاتا ہے۔ مگر عورت کے لیے تو کسی طرح بھی نام لکھنا مناسب نہیں ہے عورت کو تو کوئی تعلق سوائے خاوند کے کسی سے بھی نہ رکھنا چاہیئے اس کا مذہب تو یہ ہونا چاہیئے۔

دلا رامے کہ داری دل دروبند　　دگر چشم از ہمہ عالم فروبند(۲)

---

(۱) مصنف اللہ کی بندی (۲) ''جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کرلو''۔

بلکہ قرآن مجید کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اجنبی مردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جس سے نفرت پائی جاوے نہ کہ محبت والفت استغفر اللہ! اس کو لوگوں نے تہذیب سمجھ لیا ہے۔

عورت کی تہذیب

حالانکہ عورت کے لیے تہذیب یہی ہے کہ غیر آدمی سے روکھا برتاؤ کرے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا حق تعالیٰ تو یوں فرماتے ہیں: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (۱)

یعنی کسی سے نرم لہجہ سے بات نہ کرو دیکھئے اس آیت کے مخاطب وہ عورتیں ہیں جو مسلمانوں کی مائیں تھیں یعنی ازواج مطہرات ان کی طرف کسی کی بُری نیت جا ہی نہیں سکتی تھی مگر ان کے لیے بھی یہ سخت انتظام کیا گیا تو دوسری عورتیں تو کس شمار میں ہیں۔ چنانچہ اس کے شروع میں ہی یہ لفظ موجود ہے لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ یعنی تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو بلکہ اوروں سے افضل ہو۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ نرم لہجے سے بات مت کرو۔ جب بات کرنا ہو تو خشک لہجہ سے کرو جس سے مخاطب یہ سمجھے کہ بڑی کھری اور تڑّی (۲) اور تلخ مزاج ہیں۔ تا کہ لاحول ہی پڑھ کر چلا جائے نہ یہ کہ نرمی سے گفتگو کرو کہ میں آپ کی محبت کا شکریہ ادا کرتی ہوں مجھے جناب کے الطاف کریمانہ کا خاص احساس ہے۔ جیسا کہ آج کل کے رسالوں میں عورتوں کے مضامین نکلتے ہیں۔ یہ مضامین زہرِ قاتل ہیں، آفت ہیں طرح طرح کے مفاسد اس پر مرتب ہوتے ہیں بعض لوگ اس پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب بتلایئے کیا فساد ہو رہا ہے ہم کو تو نظر نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں کہ اول تو فساد موجود ہے اور اگر تم کو نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ بہت قریب آگے چل کر یہ لہجہ کچھ رنگ لاوے گا اُس وقت سب کو معلوم ہوگا اور مجھ کو اس وقت معلوم ہو رہا ہے جیسے کہا گیا ہے۔

---

(۱) ''تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کرو'' الاحزاب: ۳۲ (۲) بدمزاج۔

من ازآں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را(۱)

عورتیں غیر مردوں سے کس طرح بات کریں

اہل نظر شروع ہی میں کھٹک جاتے ہیں کہ یہ چیز کسی وقت میں رنگ لائے گی اور اس کی دلیل بھی خود اس آیت ہی میں موجود ہے کہ **فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ** کے بعد ہی بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں: **فَيَطۡمَعَ الَّذِي فِي قَلۡبِهِۦ مَرَضٌ** (۲) کہ اگر خضوع فی القول یعنی نرم لہجہ سے بات کی گئی تو جس کے دل میں روگ ہے اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا اور وہ لہجہ کی نرمی سے سمجھ لے گا کہ یہاں قابو چل سکتا ہے پھر وہ اس کی تدبیریں اختیار کریگا دیکھئے خود حق تعالیٰ لہجہ کی نرمی کا یہ اثر بتا رہے ہیں پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ اس اثر کا انکار کرے میں اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ الفاظ قرآنی صاف بتاتے ہیں عورتوں کا مردوں سے نرم گفتگو کرنا یہ اثر رکھتا ہے کہ ان کے دلوں میں طمع پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد یہ حکم بھی ہے **وَقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوفًا** جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بات کرو بھی تو ایسی بات کرو جس کو شریعت میں اچھا مانا گیا ہو۔ ایک تو یہ کہ بے ضرورت الفاظ مت بڑھاؤ کیونکہ شریعت اس کو کسی کے لیے پسند نہیں کرتی۔ شریعت نے کم بولنے ہی کو پسند کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر بات کو سوچ کر کہو کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکل جاوے مختصر ترجمہ معروف کا معقول ہے تو یہ معنی ہوئے کہ معقول بات کہو، معقول بات وہی ہوتی ہے جس سے کوئی بُرا نتیجہ پیدا نہ ہو جب ثابت ہو چکا کہ لہجہ کی نرمی سے بھی عورتوں کے لیے بُرا نتیجہ پیدا ہوتا ہے تو محبت پیار کی باتوں سے کیوں برا نتیجہ پیدا نہ ہوگا جس کو آج کل تہذیب میں داخل سمجھا گیا ہے تو اس قسم کی باتیں عورتوں کے لیے معقول نہیں بلکہ نامعقول ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک بات ایک کے لیے معقول ہو اور دوسرے کے لیے نامعقول ایک کے لیے سختی سے

(۱) ''یوسف علیہ السلام کے حسن روز افزوں سے میں نے یہ جانا ہے کہ عشق زلیخا کو پردہ عصمت سے باہر کھینچ لایا ہے'' (۲) ''پس جس کے دل میں خرابی ہے''

بات کرنا اور بے رخی سے جواب دینا معقول ہوسکتا ہے اور دوسرے کے لیے نامعقول تمہارے لیے یعنی مردوں کے واسطے باہمی کلام کا معقول طریقہ یہ ہے کہ نرمی سے بات کرو کسی کو سخت جواب نہ دو، روکھا پن نہ برتو۔ اور عورتوں کے لیے معقول طریقہ یہ ہے کہ اجنبی کے ساتھ نرمی سے بات نہ کریں اور سختی سے جواب دیں اور روکھا برتاؤ کریں۔

در حق او مدح درحق توذم درحق او شہد درحق تو سہم

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات کسی کے لیے داخل مدح ہوتی ہے اور دوسرے کے لیے داخل ذم ہوتی ہے جیسے اس شبان کی گفتگو جو حق تعالیٰ کی شان میں کہہ رہا تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ میں آپ کو دودھ پلاؤں اور کپڑوں کی جوئیں دیکھوں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گفتگو سن کر غصہ آ گیا اور اس کو ڈانٹا مگر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمایا کہ ہمارے ساتھ ہر شخص کا تعلق جداگانہ ہے اس حکایت کا حاصل یہی ہے کہ یہ باتیں تمہارے حق میں بُری ہیں مگر اس کے حق میں بُری نہیں۔ اسی اعتبار سے اس وقت میں نے یہ شعر پڑھا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ہی بات مردوں کے لیے بُری اور عورتوں کے لیے اچھی ہوسکتی ہے عورتوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ جب غیر مردوں سے بات کریں تو خوب روکھے اور سخت لہجہ میں اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کریں۔ اول تو عورتوں کو غیروں سے بات بولنا ہی نہیں چاہئے، مگر بضرورت بولنا جائز ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سختی سے گفتگو ہوتا کہ دوسرے کے دل میں کشش اور میلان پیدا نہ ہو اور یہ طریقہ عورتوں کے لیے علاوہ شرعی حکم ہونے کے طبعی بھی ہے افسوس ہے کہ ایک فطری اچھی خصلت کو قصداً بگاڑا جارہا ہے۔ دیہات میں دیکھئے کہ بھنگن و چماری سے بھی خطاب کیجئے تو وہ منہ پھیر کر اول تو اشارے سے جواب دے گی مثلاً راستہ پوچھئے تو انگلی اٹھا کر بتادے گی کہ ادھر ہے اور اگر بولنا ہی پڑے تو بہت تھوڑے سے الفاظ میں مطلب کو ادا کردے گی نہ اس میں القاب ہوں نہ آداب نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ، نہ آواز نرم ہوگی بلکہ اس طرح بولے گی جیسے کوئی زبردستی بات کرتا ہے چونکہ

دیہات والوں میں یہ اخلاق طبعی موجود ہوتے ہیں اور ان سے انحراف کے اسباب وہاں نہیں پائے جاتے اس واسطے دیہاتیوں کے اخلاق وعادات اپنی جبلی حالت پر ہوتے ہیں۔

حقیقت معیار

حیا عورت کے لیے طبعی امر ہے اور اس کے آثار ان دیہاتی عورتوں میں جن پر زوال(۱) حیا کے اسباب نے اثر نہیں کیا ہے موجود ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ طبعی بات عورت کے لیے یہی ہے کہ غیر مردوں سے میل جول نہ کرے اور کوئی ایسی بات قول میں یا فعل میں اختیار نہ کرے جس سے میل جول یا کشش پیدا ہو یہی شریعت کی تعلیم ہے تو شریعت فطرت کے بالکل موافق ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل طبعی اخلاق سے بعد ہوگیا ہے اور جو باتیں بُری سمجھی جاتی تھیں وہ اچھی سمجھی جانے لگیں حتی کہ اس قسم کے مضامین اور ایسے خیالات اور ایسے جذبات جن سے خواہ مخواہ میلان ہو آج کل ہنر سمجھے جانے لگے۔ اس سے بہت ہی پرہیز کرنا چاہئے اللہ محفوظ رکھے۔ یہ اثر اس نئی تعلیم کا ہے اس لیے یہ تعلیم تعلیم نہیں بلکہ تجہیل(۲) ہے اور عورتوں کے لیے تو نہایت ہی مضر ہے۔ عورتوں کے لیے تعلیم کا وقت بچپن کا وقت ہے مگر آج کل شہروں میں بچپن ہی سے لڑکیوں کو نئی تعلیم دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس تعلیم کے آثار ونتائج ان کی رگ و پے میں سرایت کرجاتے ہیں پھر دوسری کوئی تعلیم ان پر اثر کرتی ہی نہیں لڑکیوں کی مثال بالکل کچی نرم لکڑی کی سی ہے اس کو جس صورت پر قائم کرکے خشک کردو گے تمام عمر ویسی ہی رہے گی۔ جب بچپن ہی سے نئی تعلیم دی گئی نئے اخلاق سکھائے گئے نئی وضع نئی قطع نیا طرز معاشرت ان کی نظروں میں رہا تو وہ اسی میں پختہ ہوگئیں بڑی ہوکر ان کی اصلاح کسی طرح نہیں ہوسکتی لہٰذا ضرورت ہے کہ بچیوں کو بجائے نئی تعلیم کے پرانی تعلیم دیجئے تاکہ وہی تعلیم ان کی رگ وپے میں رچ جائے پھر آپ دیکھیں گے کہ بڑی ہوکر وہ کیسی باحیا، سلیقہ شعار دیندار سمجھدار ہوں گی۔ بعض جگہ ہم نے دیکھا ہے کہ لڑکیوں کو اشعار یاد کرائے جاتے ہیں وہ ان کو گاتی ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تصوف کے

(۱) مٹانے والا اسباب (۲) جہالت۔

اشعار ہیں جن سے اخلاق کی درستی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تصوف بیشک ایسی ہی چیز ہے تصوف ہر خوبی کی جان ہے مگر اشعار کا نام تصوف نہیں ہے نظم کے ساتھ اس کو کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تصوف نام ہے درستی ظاہر و باطن کا تو کیا ظاہر و باطن کی درستی نظم ہی سے ہوسکتی ہے؟ نثر سے نہیں ہوسکتی بلکہ میں کہتا ہوں کہ درستی اخلاق نثر ہی سے ہوسکتی ہے نظم سے نہیں ہوسکتی کیونکہ اصلاح اخلاق مجاہدہ اور مشقت سے ہوتی ہے جس میں ترکِ لذات کرنا پڑتا ہے اور شعر شاعری اور نظم اور غزل خوانی تو لذات میں داخل ہے۔ اس سے اصلاح کیا ہوتی۔ غرض تصوف نام شعر شاعری اور دیوان حافظ پڑھنے کا نہیں ہے صرف یہ دیکھ کر یہ شعر دیوان حافظ کا ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ اس کا پڑھنا داخل تصوف ہے اور یہ کسی حال میں مضر نہیں ہوسکتا محض غلطی ہے کیونکہ ان حضرات کے اشعار سب کو مفید نہیں ہوتے بلکہ بہت سے لوگوں کو مضر ہوتے ہیں یہ لوگ اہل حال تھے ان کے حال کا اثر ان کے کلام میں بھی موجود ہے اور ہر شخص اس حالت کا تحمل نہیں کرسکتا خاص کر عورتیں کیونکہ یہ ضعیف القلب (۱) ہوتی ہیں ان پر تو اندیشہ ہے کہ اگر کوئی اچھی حالت غالب ہوگئی تو بیمار ہوجائیں گی۔ تصوف تو عورتوں کو ان اشعار سے کیا حاصل ہوتا۔ صحت جسمانی بھی جاتی رہے گی۔ غرض شعر اشعار کا پڑھنا پڑھانا، عورتوں کے لیے ٹھیک نہیں بلکہ فتنہ ہے عورتوں کے لیے تو بس ایسی کتابیں مناسب ہیں۔ جن سے خدا کا خوف جنت کا طمع دوزخ سے ڈر پیدا ہو اس کا اثر عورتوں پر بہت اچھا ہوتا ہے اب اس تعلیم کو تو لوگوں نے چھوڑ دیا اور وہ تعلیم اختیار کرلی جو مضر ہے جو تعلیم مفید اور ضروری تھی اس میں تو کمی ہوتی جاتی ہے بلکہ ناپید ہوتی جاتی ہے۔ اسی تعلیم کے نہ ہونے کے یہ نتائج ہیں کہ عورتوں کے اخلاق درست نہیں ہوتے اور باوجودیکہ ان میں محبت اور جاں نثاری اور ایثار کا مادہ بہت ہے پھر بھی خاوند سے ان کی نہیں بنتی کیونکہ مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ان میں پھوہڑپنا اور بے باکی موجود ہے کہ جو کچھ زبان پر آجائے بے دھڑک بک

(۱) کمزور دل۔

ڈالتی ہیں جس سے خاوند کو تکلیف پہنچتی ہے اور خانہ جنگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ زندگی تلخ ہوجاتی ہے اس لیے میں پھر کہتا ہوں کہ عورتوں کو وہ تعلیم جس کو پرانی تعلیم کہا جاتا ہے اور وہی تعلیم مصلح اخلاق ہے بقدر کفایت ضرور دینا چاہئے جس سے ان کی آخرت اور دنیا سب درست ہوجائیں عقائد صحیح ہوں عادات درست ہوں معاملات صاف ہوں اخلاق پاکیزہ ہوں پھر ہم دیکھیں معاشرت کیسے اچھی نہیں ہوتی معاملات کی صفائی ہی کا بیان ہورہا تھا جس پر اتنا مضمون بڑھ گیا۔ بیان یہ تھا کہ گھروں کے اندر بہت گھال میل ہے جس سے معاشرت خراب اور زندگی وبال جان ہوتی ہے آپس میں رنجشیں ہوتی ہیں اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے کیونکہ اہل حقوق کے حقوق تلف ہوتے ہیں جس پر آخرت میں سخت مواخذہ ہوگا۔

پیشہ ور واعظین کا انداز

عورتوں میں جو واعظ وعظ کہنے کے لیے پہنچتے وہ بھی ضروریات کی مثلاً معاملات کی صفائی اور گھر کے سامان میں گھال میل نہ ہونے کی تعلیم نہیں کرتے۔ پس واعظوں کو تو وہی حدیث یاد ہے یَامَعَاشِرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْمِنْ حُلِيِّكُمْ (۱) بس ان کو چندہ دے دو چاہے کسی کا مال ہو اور اس حدیث میں سے بھی صرف تَصَدَّقْنَ کا لفظ ان کا مطمح نظر ہوتا ہے حالانکہ آگے مِنْ حُلِيِّكُنَّ بھی موجود ہے جس کا مطلب میں نے ابھی بیان کیا کہ اپنے مملوک زیور میں سے دو اور اسی پر یہ مضمون چلا تھا کہ عرب میں مرد و عورت کے مملوکات متمیز ہوتے تھے مگر ہمارے یہاں اس میں گڑبڑ ہے خود ان کے زیور میں بھی شبہ ہے کہ انکا ہے یا شوہر کی شرکت کا۔ سو واعظوں کا یہ طرز عمل ایسا ہی ہے جیسا کسی نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہیں قرآن شریف کی کون سی آیت سب سے زیادہ پسند ہے کہا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کہا دعا کون سی پسند ہے کہا رَبَّنَآ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (۲)

یعنی اے اللہ لگا لگایا خوان کھانے کا اتار دیجئے کہ سوا کھالینے کے کچھ نہ کرنا پڑے۔ اس شخص کو اپنے مطلب ہی کی آیت اور مطلب ہی کی دعا یاد تھی ایسے ہی

(۱) ''اے عورتوں کے گروہ صدقہ کرو اور اپنے مملوک زیور سے دو'' سنن الترمذی: ۶۳۵، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۸۰۸، کنز العمال: ۴۵۰۷۷ (۲) ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما'' سورۃ المائدہ: ۱۱۴

ہمارے واعظ صاحبان کو بھی اپنے مطلب کی ایک ہی حدیث یاد ہے یَامَعاشِرَ النِّسَاءِ تَصَدّقنَ کہ بس خیرات کردو اور زیور ان کو دیدو جگنو اتاردو چمپا کلی (۱) اتاردو کانوں کی سب بالیاں اتاردو یہ بھی مت دیکھو کہ اپنی ہیں یا دوسرے کی اور ان کا دینا بھی جائز ہے یا ناجائز اور داخل خیرات ہے یا داخل سیئات (۲) بس یہ حدیث پڑھ کر بچاریوں سے چندہ وصول کرلیتے ہیں اور اس کے لیے طرح طرح کی ترکیبوں سے کام لیتے ہیں واعظوں کا بیان بڑا لچھے دار ہوتا ہے جس سے عورتیں بہت جلدی پگھل جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ مسجد زیر تعمیر تھی سارا کام ہوگیا تھا صرف فرش باقی تھا تو ایک بزرگ واعظ نے عورتوں میں وعظ کہنا شروع کیا اول تو مسجد بنانے کے فضائل بیان کئے پھر کہا اس وقت ایک مسجد زیر تعمیر تھی مگر وہ پوری ہوچکی جس کی قسمت میں جتنا ثواب تھا اتنا حصہ اس نے لے لیا مگر افسوس ہے کہ بیچاری عورتیں محروم رہ گئیں یہ ان کی قسمت ہے یہ غریب گھروں میں بیٹھنے والی ہیں ان کو کیا خبر کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے کیا کیا دولتیں لٹ رہی ہیں واقعی بہت افسوس ہوا کہ عورتیں اس ثواب میں شامل نہ ہوسکیں جب واعظ صاحب نے دیکھا کہ عورتوں پر رنج وحسرت کا کافی اثر ہوچکا تو آپ فرماتے ہیں کہ اخاہ خوب یاد آیا میاں ابھی فرش تو باقی ہی ہے اور مسجد میں اصل چیز فرش ہی تو ہے، فرش ہی پر نماز ہوتی ہے درودیوار پر تھوڑا ہی پڑھی جاتی ہے واقعی عورتیں بڑی خوش قسمت ہیں کہ اصل چیز انہیں کے واسطے رہ گئی۔ اب بیبیوں کو حصہ لینے کا خوب موقع ہے اور اے بیبیو اگر فرش تم نے بنوایا تو کیسا لطف کا واقعہ ہوگا کہ مرد اس پر نماز پڑھیں گے اور فرشتے ان کی نمازیں لیکر دربارِ الٰہی میں جائیں گے۔ تو یوں کہیں گے کہ لیجئے حضور بندوں کی نمازیں اور بندیوں کی جانمازیں بس یہ کہنا تھا کہ پردہ کے پیچھے سے چھَنا چھَن کی آواز آنے لگی کسی نے پازیب اُتار کر پھینکی کسی نے جھانور اور کسی نے پہنچی کسی نے ہار بندۂ خدا نے ایک شاعرانہ جملہ میں ہزاروں روپیہ کا زیور لے لیے مجھے تو یہ ترکیبیں پسند نہیں یہ تو پالیسی ہے۔ شریعت نے ہم کو پالیسی کی تعلیم نہیں کی بلکہ حدود کے اندر رہنے کا حکم دیا ہے خواہ چندہ آئے یا نہ آئے۔

(۱) عورتوں کے زیوروں کے نام (۲) بھلائی میں داخل ہے یا برائی میں۔

وصولی چندہ کا نامناسب طریقہ

اسی طرح ایک واعظ صاحب کا قصہ ہے کہ ان کے وعظ میں ایک عورت نے اپنی ایک پازیب دی تو فرمانے لگے کہ ایک پاؤں تو جنت میں گیا ایک پاؤں دوزخ ہی میں رہا۔ خیال تو کیجئے یہ کیسی ترکیبیں کرتے ہیں۔ اس بیچاری نے دوسری بھی دیدی۔ واعظ کو آگے نہیں سوجھی ورنہ یوں کہنے لگتے کہ ہائے افسوس ٹانگیں تو جنت میں گئیں مگر اوپر کا جسم جنت کے باہر ہی رہا نتیجہ یہ ہوتا کہ عورتیں سر سے پیر تک کا زیور سب اتار کر ان کے حوالہ کر دیتیں عورتیں اکثر بھولی بھالی اور اَن پڑھ ہوتی ہیں واعظ صاحب جو کچھ کہیں وہ اس کو اللہ میاں کا حکم سمجھتی ہیں اور اس کی تعمیل کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں ہم تو ان ترکیبوں کو بالکل ناجائز سمجھتے ہیں اگر خدا کا کام کرنے کو کھڑے ہوئے ہو اسی طرح کام کرو جس طرح خدا نے بتایا ہے کہ نہ کسی پر بار ڈالو، نہ پالیسی سے کام لو بس سیدھے سیدھے الفاظ میں ضرورت کو بیان کر دو پھر اگر وہ کام واقعی خدا کا کام ہے تو نہ مسجد رکے گی نہ مدرسہ رکے گا اور اگر خدا کا کام نہیں یا خدا کے واسطے نہیں بلکہ محض تمہارے نفس کی خواہش اور غرض ہے تو اس کا پورا نہ ہونا ہی اچھا ہے اور اگر کسی کو ترکیب ہی کرنا ہو تو اس کے لیے حدیث قرآن کو کیوں آڑ بنایا جائے یہ تو بہت سخت بات ہے ترکیبوں کے لیے قرآن وحدیث سے کام لیا جائے۔

حافظا مے خور درندی کن وخوش باش ولے دام تزویر مکن چوں دگراں قرآن را(۱)

بیانِ ترہیب

غرض واعظوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اگر ان کو اپنا کوئی مطلب نکالنا ہوتا ہے تو عورتوں کو عذاب سے ڈراتے دھمکاتے ہیں اور ترکیبوں چالاکیوں سے جو کچھ ہوسکتا ہے ان سے وصول کر لیتے ہیں اور اگر فی الوقت کوئی مطلب نکالنا نہیں ہوتا تو پھر ایسے مضامین بیان کریں گے جن سے وہ غریب مایوس ہو جائیں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ عورتوں کو وعظ سن کر خدا تعالیٰ کی رحمت کی کچھ امید ہوئی ہو وہاں مایوسی ضرور ہو جاتی ہے اسی لیے عورتیں بھی ایسی بہادر ہیں کہ ادھر وعظ سنا اور ادھر دو تین منٹ ہی کے بعد اس

(۱) ''حافظ اپنی رندی میں خوش وخرم رہو لیکن اس کے لیے قرآن کو کیوں آڑ بناتے ہو''

کے خلاف عمل شروع ہوگیا کہ اسے کاٹا اسے کوسا۔ ابھی وعظ میں تو رو رہی تھیں اور ابھی چیخ و پکار کر رہی ہیں دوسروں سے لڑ رہی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وعظ میں خوف اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ان کو نجات سے مایوسی ہوجاتی ہے وہ بھی سمجھ لیتی ہیں کہ ہم دوزخی تو ہیں ہی پر نفس کو مارنے میں کیا فائدہ نیک و بد سے کیا واسطہ؟ جس حال میں ہیں اسی حال میں کیوں نہ رہیں آپ نے دیکھا ہوگا جس شریر بچے کو بار بار پیٹا جائے اٹھتے جوتی بیٹھتے لات کا معاملہ رکھا جائے وہ بے حیا ہوجاتا ہے پھر وہ کسی سے بھی نہیں دبتا اسی طرح واعظ صاحبان نے ترہیب کے مضامین بیان کر کے عورتوں کو نڈر کر دیا ہے۔ مطلب میرا یہ ہے کہ جہاں ترہیب کی ضرورت ہے وہاں ترغیب کی بھی ضرورت ہے اسی لیے قرآن مجید میں ترغیب و ترہیب دوش بدوش ہیں (۱)۔ میں نے یہ آیت اس وقت اسی لیے اختیار کی ہے کہ اس میں عورتوں کے لیے ترغیب کا مضمون ہے۔

ضرورتِ عمل

چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہ اشاد فرماتے ہیں: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۔(۲)

میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ اس وقت مقصود بیان صرف تعمیم رحمت (۳) حق کا ظاہر کرنا ہے جس میں مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ کا لفظ دال ہے اور اسی جزو کا مجھے بیان کرنا مقصود ہے۔ فرماتے ہیں میں کسی کام کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت یعنی ہمارے یہاں نیک عمل ہر مومن کا مقبول ہے یہ نہیں کہ عورت کے عورت ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مردود (۴) ہوجائے یا مرد کے مرد ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مقبول ہوجائے۔ دوسری آیت میں فرماتے ہیں: مَنْ عَمِلَ صَٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا

(۱) خوف و رغبت کے مضامین ساتھ ساتھ ذکر کئے گئے (۲) ''سو منظور کرلیا ان کے رب نے ان کی درخواست کو اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو تم کرنے والے ہو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت'' سورۃ اٰل عمران: ۱۹۵ (۳) اللہ کی رحمت کے عموم کو بیان کرنا ہے (۴) عمل مقبول نہ ہو۔

كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱) یعنی جو کوئی نیک عمل کریگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اس کو حیات طیبہ نصیب کریں گے اور اس کو جزا دیں گے اچھے عمل کی آپ کو معلوم ہوگا کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ جن آیات میں کوئی تصریح عورت یا مرد کی نہیں ہوتی ان کا مضمون مردوں اور عورتوں سب کو عام ہوتا ہے اس بناء پر اس تصریح کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت پھر ان آیتوں میں لفظ مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ کے لانے کا کیا سبب ہے؟ اس کا پتہ شانِ نزول سے چلتا ہے۔

خصوصیت سے عورتوں کے ذکر کی وجہ

شان نزول حسب روایت ترمذی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک دفعہ بطورِ حسرت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ قرآن شریف میں عورتوں کا ذکر کہیں نہیں آتا ان کی خاطر سے حق تعالیٰ نے بعض آیات میں صراحۃً عورتوں کا ذکر فرمادیا تاکہ یہ حسرت نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یاد نہیں فرماتے۔ دیکھو عورتوں کی خاطر اللہ میاں کو کس قدر منظور ہے کہ باوجود ضرورت نہ ہونے کے تصریح کے ساتھ عورتوں کا ذکر بھی کردیا اس کی قدر ہم کو اس وجہ سے نہیں کہ جب سے ہوش سنبھالا قرآن سنا تو اس میں بہت جگہ ایسے الفاظ سنے جو عورتوں کی شان میں ہیں بس سنتے سنتے مساوات ہوگئی اب جب ایسی آیتیں پڑھتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی اس کی قدر ان عورتوں کے دل سے پوچھو جن کو یہ حسرت ہوچکی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ذکر نہیں فرماتے پھر ان کی حسرت کو حق تعالیٰ نے پورا کیا یہ بیچاری قرآن میں ہر جگہ مردوں ہی کا ذکر پاتی تھیں اس سے ان کا دل مرجاتا ہوگا اور یہ خیال ہوتا ہوگا کہ کیا ہم عورتیں حق تعالیٰ کے نزدیک کسی شمار میں بھی نہیں جو کہیں ہمارا ذکر نہیں فرماتے اب سوچئے کہ جس وقت ان کی تمنا کے موافق قرآن میں الفاظ اترے ہوں گے تو ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اس کا لطف دوسرا کوئی کب سمجھ سکتا ہے؟

جوشِ محبت

ایک صحابی ہیں حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ شیخین کی روایت میں ہے کہ

(۱) سورۃ النحل: ۹۷۔

ان سے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے اُبی خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تم کو سورہ لم یکن پڑھ کر سناؤں۔ یہ سن کر ان کو وجد سا آ گیا اور عرض کیا اللہ سمانی یعنی کیا اللہ میاں نے میرا نام لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا واقعی اس وقت جو حالت بھی ان کی ہوئی ہو کم ہے سوچئے تو کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیغام ان کو سنایا ہوگا۔ اگر ان کو شادی مرگ (۱) ہو جاتی تو تو بجا تھا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا، نَعَم اللّٰہُ سمّاكَ یعنی ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر فرمایا بس یہ سن کر وہ پھوٹ کر رو پڑے اس حالت کا اندازہ کوئی کیا کر سکتا ہے رہا یہ کہ پھر رونا کس لیے تھا تو حضرت یہ رونا نہ شادی کا تھا نہ رنج کا تھا بلکہ گرمی عشق کا تھا اس کی تحقیق مشکل ہے۔ بعضے سمجھتے ہیں کہ خوشی کا رونا تھا مگر یہ بات نہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تحقیق ہے کہ یہ رونا محبت کے جوش کا تھا کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ اے اللہ! میں اس قابل کہاں تھا کہ آپ میرا نام لیں۔ اس خیال سے محبت کا جوش اٹھا اور گریہ طاری ہوا۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مثالی قصہ کے پیرایہ میں اس حقیقت کو ذکر کیا ہے فرماتے ہیں۔

بلبلے برگ گلے خوشرنگ درمنقار داشت

واندراں برگ ونواخوش نالہائے زار داشت (۲)

یعنی ایک بلبل پھول کی پنکھڑی چونچ میں لیے ہوئے بہت کچھ آہ و نالہ کر رہا تھا

گفتمش درعین وصل ایں نالہ وفریاد چیست گفت مارا جلوہ معشوق دراں کار داشت

یعنی میں نے اس سے کہا کہ تجھے تو اس وقت وصلِ گل حاصل ہے چونچ میں پنکھڑی لئے ہوئے ہے یہ تو خوشی کا وقت ہے اس وقت نالہ وفریاد کیسے اس نے جواب دیا کہ جلوہ معشوق کا اثر یہی ہے کہ نالہ وفریاد کیا جائے اس کی تجلی کے ظہور کا اثر یہی ہے کہتے ہیں نا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

کیوں صاحب ایسے وقت میں کہ محبوب گھر میں آجائے گھر کا کیا دیکھنا بات یہ ہے کہ غایت قرب سے تحیر پیدا ہو جاتا ہے اور بار بار یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اور ہمارا

(۱) اس خوشی سے موت واقع ہو جاتی۔

گھر اس قابل کہاں تھا کہ وہ تشریف لائیں اس واسطے حیران ہو کر کبھی اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور کبھی گھر کو اور سمجھتا ہے کہ میں اور میرا گھر تو اس قابل تھا نہیں کہ یہ دولت نصیب ہو اسی کا نام تحیر ہے اسی طرح وہ بلبل عین وصال کے وقت تحیر میں تھا یہی حالت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر طاری ہوئی یہ جوش محبت تھا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اس قابل ہوں کہ خدا تعالیٰ میرا نام لیں واقعی وجد کی بات ہے۔ چنانچہ ان پر وجد طاری ہوا اور رونے لگے۔ محبوب کی مجلس میں عاشق کا ذکر ہی آجاوے تو وجد کے لیے کافی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں:

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

غرض اس وقت اس لفظ او انثی کی اس لیے قدر نہیں محسوس ہوتی کہ تمام عمر سے ہمیں قرآن میں یہ لفظ موجود ملا ہے اس کی قدر ان سے پوچھی جائے جن کی حسرت وتمنا کے بعد یہ لفظ نازل ہوا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک عاشق کو محبوب کے دربار کے قریب تک پہنچنے کا موقع تو ملتا ہے مگر محبوب کبھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا دوسروں سے ہی بات چیت کرتا رہتا ہے اور یہ اس حسرت میں گھلا جاتا ہے کہ افسوس میرا نام بھی تو کبھی اس کی زبان پر نہیں آتا اس نے کسی خاص مقرب بارگاہ سے اپنی حسرت کو ظاہر کیا اس نے محبوب کے کان تک یہ بات پہنچادی دوسرے وقت محبوب نے مجلس میں کوئی چیز مثلاً پان تقسیم کئے اور خادم سے کہا کہ سب صاحبوں کو پان دیدو اور فلاں صاحب کو ضرور دینا عاشق کا نام لے کر کہا تو آپ اندازہ کیجئے کہ اس وقت اس عاشق کی کیا حالت ہوگی یقیناً اس کو وجد آجاوے گا اور ناچتا پھرے گا مگر دوسرے حضار (۱) مجلس کے نزدیک یہ بات بھی کچھ نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ اس کو بڑی تمنا کے بعد یہ دولت نصیب ہوئی ہے اور دوسروں کو بلاتمنا کے نصیب تھی۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (خواتین اور قرآنِ حکیم)

(۱) مجلس میں موجود دوسرے لوگوں کے نزدیک۔

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

حضرت ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ العالی کے ملکی تقریبات میں شرکت فرمائی۔

- 12 اکتوبر 2021ء مانگا منڈی تقریب میں شرکت۔
- 14 اکتوبر جامعہ اسلامیہ حق ٹاؤن اوکاڑہ تلاوت و بیان کے بعد حفاظ کرام کی دستار بندی فرمائی۔
- 15 اکتوبر فیصل آباد, 17 اکتوبر ختم نبوت کانفرنس بھلوال میں شرکت فرمائی۔
- 11 ربیع الاول بروز پیر جامعہ ہٰذا کے تمام درجات و تعلیمی شعبہ جات کا ششماہی امتحان مکمل ہوا۔
- 12 ربیع الاوّل بروز منگل طلباء کے مابین مرحلہ وار مسابقہ حسنِ قراءۃ کا اہتمام کیا گیا، کامران بلاک مرکزی درسگاہ سمیت دار الفلاح برانچ، مانگا منڈی برانچ تین جگہ منعقد ہوا۔

1۔ حفظ کے طلباء کے مابین ''مسابقہ حدر''

2۔ تجوید کے طلباء کے مابین ''مسابقہ ترتیل''

3۔ قراءات سبعہ کے طلباء کے مابین ''مسابقہ اجراء''

4۔ قراءاتِ ثلٰثہ کے طلباء کے مابین ''مسابقہ اجراء''

ان مسابقہ جات میں اوّل دوم، سوم، پوزیشن یافتہ طلباء کو بدست حضرت ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ العالی مہتمم جامعہ ہٰذا انعامات سے نوازا گیا۔

- 21 اکتوبر جامع مسجد منصورہ لاہور عالمی محفل حسنِ قراءت میں تلاوت اور مصری قراء کرام سے خصوصی ملاقات فرمائی۔